اخبار الرایہ

شمار نمبر 584

(28-جنوری-2026)

(عربی سے ترجمہ)

حزب التحریر کے خلاف جنگ کیوں کی جارہی ہے؟............ 2

امریکہ کی مکاری اور شرعی سیاسی فریضے کے درمیان............ 6

امریکہ کے ساتھ فوجی تعاون: غلامی کا استحکام............ 11

حزب التحریر / امریکہ: "تقسیم سے اتحاد تک" کے عنوان سے کانفرنس کا انعقاد............ 13

سیاسی استحکام بمقابلہ ترقی: عرب ممالک میں ایک ناممکن مساوات............ 15

دہشت گردی: اسلام کے خلاف جنگ کرنے اور مسلمانوں کو مجرم ٹھہرانے کے لیے ایک امریکی بہانہ............ 21

مشرقِ وسطیٰ کا المیہ: بیرونی غلبے اور اصولی نظریات کے درمیان کشمکش............ 25

اے مسلمانوں! مطلوبہ تبدیلی اور باطل کو شکست دینے کے لیے میدانِ عمل میں نکل آو............ 30

غزہ کے بغیر امن کونسل..... غزہ محض ایک بہانہ ہے!............ 32

حزب التحریر / تنزانیا: انہدام خلافت کی 105 ویں برسی کی مناسبت سے سیمینار کا انعقاد............ 35

"اور وہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں"............ 36

وسطی ایشیا اور لوٹ کھسوٹ کی سیاست............ 37

خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد: دنیا اور آخرت کی عزت............ 39

تعلیم کے بارے میں اسلام کی اپنی منفرد پالیسی ہے جو ایک مثالی تعلیمی نظام کی بنیاد رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے............ 40

اسلام انسان کو ایک ایسے انسان کی حیثیت سے دیکھتا ہے جسے اللہ نے معزز بنایا ہے............ 41

خلافت اپنے شہریوں کے مفادات کی سچائی کے ساتھ نگہبانی کرتی ہے............ 42

آج امتِ مسلمہ کو درپیش سب سے سنگین خطرات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نوجوان (مغربی طاقتوں کے) تباہ کن اور بگاڑ پیدا کرنے والے جہنمی منصوبوں کے جال میں پھنس جائیں۔ مسلم امت میں نوجوانوں کا تناسب تقریباً 60 فیصد ہے، اس لیے انہیں بگاڑ کر مغرب اپنی بقا، تسلسل اور اپنے شاذ و منحرف افکار کی ترویج کو یقینی بناتا ہے۔

حزب التحریر کے خلاف جنگ کیوں کی جا رہی ہے؟

تحریر: استاد ہیثم الراجحی – ولایہ یمن

(ترجمہ)

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ایک ایسی جماعت کے خلاف جنگ کی جائے جو قائم شدہ بین الاقوامی نظام کے قواعد و ضوابط کو تسلیم نہیں کرتی، اور نہ ہی اپنی فکر کی اشاعت و ترویج کے لیے حکمران نظاموں سے اجازت طلب کرتی ہے۔ وہ اس بات کو بھی قبول نہیں کرتی کہ اس کی قانونی حیثیت انسانوں کے بنائے ہوئے دساتیر یا سیاسی اعترافات سے حاصل ہو۔ حزب التحریر اپنی پیدائش کے وقت سے ہی کسی خاص نظام کے ساتھ محض جزوی تصادم میں نہیں پڑی، بلکہ اس نے اس فکری اور سیاسی ڈھانچے کے ساتھ بنیادی اور جڑ سے جڑا ہوا ٹکراؤ مول لیا ہے جس پر یہ تمام نظام اصلاً کھڑے ہیں، اسی لیے اسے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ گہرائی اور شدت کے ساتھ نشانہ بنایا گیا ہے۔

ہمارے ممالک میں موجودہ نظام کسی بھی سیاسی یا دعوتی کام کے لیے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ ان سے اجازت نامہ اور لائسنس حاصل کیا جائے، اور یہ اجازت نامہ محض کوئی معصومانہ انتظامی کارروائی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک فکری اور سیاسی 'دباؤ کا معاہدہ' ہے، جس میں ان قومی سرحدوں کا اعتراف شامل ہوتا ہے جو استعمار نے مسلمانوں کی خلافت کو مسمار کرنے کے بعد ان کی سرزمینوں کو تقسیم کرتے ہوئے کھینچی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ 'قومی ریاست' (Nation-state) کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرنے اور جمہوری نظام کو حکمرانی اور قانون سازی کے مرجع کے طور پر قبول کرنے کا اقرار بھی ہے۔ یہ شرائط محض رسمی نہیں ہیں، کیونکہ جو شخص انہیں قبول کرتا ہے وہ ضمناً اس بات کا اعتراف کر لیتا ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے نہ کہ شریعت کو، اور یہ کہ امت شرعی اور سیاسی طور پر تقسیم شدہ ہے، اور یہ کہ استعمار نے جو کچھ مسلط کیا وہ ایک ایسی حقیقت بن چکا ہے جسے بدلنا جائز نہیں۔

اسی بنیاد پر حزب التحریر سرے سے اجازت نامہ لینے یا اجازت طلب کرنے کے اصول کو ہی مسترد کرتی ہے۔ اس کا موقف یہ ہے کہ اسلام کی دعوت دینا کسی حکمران کی طرف سے دیا گیا کوئی عطیہ نہیں ہے، اور نہ ہی یہ کسی وزارت سے جاری کردہ کوئی لائسنس ہے، بلکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ایک شرعی فریضہ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور

بہترین نصیحت کے ساتھ دعوت دو"(سورۃ النحل: آیت 125)۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ "اور تم میں سے ایک ایسی امت (جماعت) ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں"(سورۃ آلِ عمران: آیت 104)۔ اور اس پاک ذات نے یہ بھی فرمایا:﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ "ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا پھر انہوں نے اسے نہیں اٹھایا، اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہوئے ہو؛ ان لوگوں کی مثال کس قدر بری ہے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا"(سورۃ الجمعہ: آیت 5)۔ پس اس خطاب (دعوت) کو اٹھانے والے سے یہ مطالبہ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان لوگوں سے اجازت مانگے جن کا نظام ہی اصلاً اللہ تبارک و تعالیٰ کی شریعت کو معطل کرنے پر مبنی ہے؟

مزید یہ کہ اس کشمکش کی اصل روح کسی خاص جماعت سے نہیں، بلکہ اس فکر سے ہے جو وہ اٹھائے ہوئے ہے۔ حزب التحریر واشگاف الفاظ میں امتِ مسلمہ کی وحدت کی پکار لگاتی ہے، اور قوم پرستی و وطن پرستی کو مسترد کرتی ہے۔ وہ انہیں ایسی دخیل (باہر سے آئی ہوئی) فکر قرار دیتی ہے جس نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار گروہوں میں بدل دیا جو دوسروں کے مفادات کی خدمت کرتے ہیں۔ یہی وہ پکار ہے جو خاص طور پر استعماری ریاستوں کو سب سے زیادہ بے چین کرتی ہے، کیونکہ امتِ مسلمہ کی وحدت کا مطلب ان کے غلبے کے ذرائع کا خاتمہ اور اس سیاسی، معاشی اور فوجی اثر و رسوخ کے نظام کا انہدام ہے جو اس نفرت انگیز تقسیم پر تعمیر کیا گیا ہے۔

چونکہ استعمار آج کے دور میں زیادہ تر اسلامی ممالک پر براہِ راست حکومت نہیں کرتا، بلکہ وہ مقامی (وطنی اور قومی) کارندہ نظاموں کے ذریعے حکومت کرتا ہے، اس لیے حزب التحریر کا مقابلہ اکثر انہی نظاموں کے ہاتھوں کروایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں، اسے روکا جاتا ہے، اس کے نوجوانوں کا تعاقب کیا جاتا ہے، اور ان پر "انتہا پسندی اور دہشت گردی" جیسے گھڑے گھڑائے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ یہ سب اس لیے نہیں کہ اس نے تشدد یا مسلح کارروائی کا راستہ اختیار کیا ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ وہ ان غدار نظاموں کو رسوا کرتی ہے، استعماری ریاستوں کے ساتھ ان کے تعلق کی حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے، اور اپنی عوام کے سامنے ان سے اسلامی نمائندگی کی قانونی حیثیت چھین لیتی ہے۔

استعماری ریاستوں اور ان کے گماشتہ مسلم حکمرانوں کی نظر میں حزب التحریر سے لاحق خطرہ اس کے پاس موجود کسی اسلحے یا کسی ایسی فوجی کارروائی میں نہیں ہے جس سے وہ دھمکاتی ہو، بلکہ ایک قدیم اور مستحکم فکری منصوبے میں ہے جو ان بنیادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا ہے جن پر اسلامی ممالک میں جدید سیکولر ریاست کھڑی ہے۔ حزب التحریر محض جزوی اصلاحات کا مطالبہ نہیں کرتی، اور نہ ہی صرف چہرے بدلنے کی بات کرتی ہے، بلکہ وہ ان مکمل نظاموں کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے کام کرتی ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور بنیاد پر بنے ہیں اور جو اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلے کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسے نظام کے قیام کی جدوجہد کر رہی ہے جو اپنی قانون سازی اور حاکمیت وحی سے حاصل کرے، نہ کہ اقوام متحدہ یا غیر ملکی سفارت خانوں سے۔

اسی لیے حزب التحریر کے خلاف جنگ میدانِ عمل میں کی جانے والی کسی کارروائی کا ردِ عمل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسی فکر کے خلاف ایک پیشگی اقدام ہے جس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اسے پھیلنے کا موقع مل گیا تو وہ موجودہ نظام کے بقا کا کوئی جواز باقی نہیں رہنے دے گی۔ وہ فکر جو یہ کہتی ہے کہ حاکمیت اللہ کے لیے ہے، امت ایک ہے، استعمار دشمن ہے، اور حکمران استعمار کے ہاتھ میں محض آلاتِ کار ہیں، ایک ایسی فکر ہے جسے نہ تو محدود کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اپنے رنگ میں رنگا جا سکتا ہے، اسی لیے اسے سرے سے کام کرنے کی اجازت ہی نہیں دی جاتی۔

مختصر یہ کہ حزب التحریر کے خلاف جنگ اس لیے نہیں ہے کہ اس نے کسی خاص نظام کی مخالفت کی ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ اس نے تمام وضعی (انسانوں کے بنائے ہوئے) نظاموں کو مسترد کر دیا ہے۔ یہ اس لیے نہیں ہے کہ اس نے مراعات مانگی ہیں، بلکہ اس لیے ہے کہ اس نے موجودہ صورتحال کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ اس لیے نہیں ہے کہ اس نے انتشار کی دعوت دی ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ اس نے ایک ایسی اصولی تبدیلی کی پکار لگائی ہے جو سیاست، اقتدار اور جواز کی تعریف کو اس کی بنیاد سے نئے سرے سے وضع کرتی ہے۔ یہاں سے ہمیں یہ سمجھ آتی ہے کہ حزب التحریر کے ساتھ معرکہ کوئی سیکیورٹی یا قانونی معرکہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک فکری اور تہذیبی جنگ ہے۔ اس پر ہونے والے حملوں کی شدت نہ تو اسے ختم کر سکے گی اور نہ ہی اس کے نوجوانوں کو خوفزدہ کر سکے گی یا ان کے عزم کو کمزور کر سکے گی، بلکہ یہ حملے اس عظیم فکر سے اس کے دشمنوں کے خوف کو ظاہر کرتے ہیں جس کی وہ علمبردار ہے۔ یہ اس ریاست کے قیام کا خوف ہے جسے وہ قائم کرنا چاہتی ہے اور جو تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دے گی، بالکل ویسے ہی جیسے اسلام کی پہلی ریاست نے کیا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ یہ نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ ہے؛ اسی لیے پوری دنیا حزب التحریر کے سامنے کھڑی ہے اور اس سے لڑ رہی ہے، لیکن فتح اللہ کے حکم سے

اسی کا مقدر ہے جو کہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت (اقتدار) عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور مستحکم کر دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اور ان کے خوف کی حالت کے بعد اسے امن میں بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں"(سورۃ النور: آیت 55)۔ اور اس بزرگ و برتر ذات نے فرمایا:﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الأَشْهَادُ﴾ "بیشک ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی ضرور مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے"(سورۃ غافر: آیت 51)۔

امریکہ کی مکاری اور شرعی سیاسی فریضے کے درمیان "قسد" کے ساتھ معاملہ ایک مثال کے طور پر

تحریر: استاد ناصر شیخ عبدالحی

(ترجمہ)

شام کے عبوری مرحلے کے صدر احمد الشرع نے گزشتہ چند دنوں کے تیز رفتار سکیورٹی اور فوجی حالات کے پیشِ نظر، 18 جنوری 2026 کو "قسد" (Syrian Defense Forces) کے شامی فوج میں مکمل انضمام اور جنگ بندی کے ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ اس معاہدے کی نمایاں ترین دفعات درج ذیل تھیں: تمام محاذوں اور رابطہ لائنوں پر فوری اور جامع جنگ بندی؛ دوبارہ تعیناتی کی تیاری کے طور پر "قسد" کی افواج کا دریائے فرات کے مشرق میں پیچھے ہٹ جانا؛ "قسد" کے اہلکاروں کا انفرادی بنیادوں پر دفاع اور داخلہ کی وزارتوں کے ڈھانچے میں انضمام؛ ریاستی ڈھانچے میں اعلیٰ فوجی، سکیورٹی اور شہری عہدوں کے لیے "قسد" کے امیدواروں کی منظوری؛ دولتِ اسلامیہ (داعش) کے قیدیوں اور کیمپوں کے ذمہ دار ادارے کا حکومت میں انضمام؛ الحسکہ میں تمام سرحدی گزرگاہوں اور تیل کے کنوؤں کا حکومتی کنٹرول؛ الرقہ اور دیر الزور کے صوبوں کا انتظامی اور فوجی انتظام فوری طور پر شامی حکومت کے حوالے کرنا؛ بین الاقوامی اتحاد کے رکن کے طور پر اور واشنگٹن کے ساتھ ہم آہنگی کے ذریعے دہشت گردی کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا ریاست کا عزم؛ صوبہ الحسکہ کے تمام شہری اداروں کا ریاستی اداروں اور ڈھانچوں میں انضمام؛ "قسد" کی قیادت کا سابقہ حکومت (اسد دور) کے باقی ماندہ عناصر کو اپنی صفوں میں شامل نہ کرنے کا عزم؛ غیر ملکی (غیر شامی) پی کے کے (PKK) کے رہنماؤں اور ارکان کو ملک سے نکالنے کا عزم؛ داعش کی جیلوں کی مکمل قانونی اور سکیورٹی ذمہ داری شامی حکومت کی جانب سے قبول کرنا؛ اور عین العرب (کوبانی) کے مقامی باشندوں پر مشتمل ایک سکیورٹی فورس کی تشکیل۔

احمد الشرع نے یہ بھی کہا کہ مخصوص نوعیت کے علاقوں میں کام کرنے والے سکیورٹی اہلکاروں کے نام وہیں سے تجویز کیے جائیں گے، اور انہوں نے عرب قبائل کو "پرسکون رہنے اور معاہدے کی دفعات پر عمل درآمد کا راستہ کھولنے" کی ہدایت کی۔ اس سے قبل ایک صدارتی فرمان جاری کیا گیا تھا جس میں کرد شناخت کو تسلیم کرنے، "عیدِ نوروز" کو قومی

تہوار اور ملک بھر میں سرکاری چھٹی قرار دینے، شام میں مقیم تمام کردوں کو شہریت دینے، اور کرد زبان کو ایک قومی زبان کے طور پر تسلیم کرنے کا اعلان کیا گیا تھا جسے ان علاقوں کے سرکاری اور نجی سکولوں میں پڑھانے کی اجازت ہو گی جہاں کردوں کی نمایاں آبادی ہے۔ شامی ایوانِ صدر نے ذکر کیا کہ مظلوم عبدی، "قسد" کی طرف سے اسسٹنٹ وزیرِ دفاع کے عہدے کے لیے ایک امیدوار کا نام پیش کریں گے اور گورنر الحسکہ کے لیے ایک نام تجویز کرنے کے ساتھ ساتھ عوامی اسمبلی (پارلیمنٹ) میں نمائندگی کے لیے بھی نام دیں گے۔ اس دوران امریکی سفیر ٹام باراک نے مظلوم عبدی اور الہام احمد سے اپنی ملاقات کا اعلان کیا اور شامی حکومت اور "قسد" کے درمیان 18 جنوری کے معاہدے میں طے شدہ انضمام کے عمل کی حمایت کے لیے واشنگٹن کے عزم کا اعادہ کیا۔

مندرجہ بالا واقعات، بیانات اور موقف کے حوالے سے ہمارا نقطہ نظر درج ذیل ہے:

پہلا: یہ واقعات ایک بار پھر ثابت کرتے ہیں کہ امریکہ کس طرح فوجی فیصلے کو روکنے میں غلیظ کردار ادا کر رہا ہے جو کہ اب بالکل ہاتھ کی پہنچ میں تھا، خاص طور پر احمد الشرع کی باراک سے ملاقات کے بعد، تاکہ معاملات اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائیں اور وہ شامی منظر نامے کی ہر جزئیات پر اپنا کنٹرول برقرار رکھ سکے۔ جب فوج تیزی سے پیش قدمی کر رہی تھی، آزاد لوگوں اور قبائل کی مزاحمت جاری تھی، اور جزیرہ شام کے بیشتر علاقے آزاد ہو چکے تھے اور "قسد" کے آخری گڑھ صوبہ الحسکہ تک پہنچنے ہی والے تھے، تو روایتی امریکی ویٹو سامنے آ گیا اور ایک ایسے معاہدے کی طرف واپسی کی ہدایت دی گئی جسے زمینی حقائق پیچھے چھوڑ چکے تھے۔

دوسرا: عوامی بنیاد (پبلک سپورٹ) ہر بار یہ ثابت کر رہی ہے کہ ان شاء اللہ اصل فضل اور فیصلہ کن بات اسی کی ہے، اور یہی وہ طاقت ہے جس کا خیال رکھنا، دیکھ بھال کرنا اور اس کی کوششوں کی قدر کرنا ضروری ہے۔ دریائے فرات کے مشرق میں فوج کی پیش قدمی اور "قسد" کی افواج کے بکھرنے میں اس عوامی سپورٹ کا بڑا کردار تھا۔ اس معرکوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ شام میں انقلابی اور جہادی جذبہ موجود ہے اور وہ کسی ایک گروہ یا تنظیم کی شکست سے کہیں آگے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے؛ یہ ایک بابرکت جذبہ ہے جو اسلام کے ذریعے ایسی حکمرانی قائم کرنے کی تڑپ رکھتا ہے جو مسلمانوں کو طاقت، تحفظ، عزت اور دبدبہ واپس دلائے؛ ایسی ریاست جو مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں اور مقدسات کی آزادی کے لیے افواج کو حرکت دے، جن میں سب سے پہلے غمزدہ مسجدِ اقصیٰ ہے جو یہودیوں کے نیزوں کے نیچے قید سسک رہی ہے۔

تیسرا: یہ بات سب کو معلوم ہے کہ استعماری ممالک کوئی خیراتی ادارے یا امن قائم کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ ان کے ہاں ہر چیز کی ایک قیمت اور معاوضہ ہوتا ہے۔ امریکہ کے عبوری سیاسی اہداف میں سے ایک دمشق کی موجودہ انتظامیہ کے موقف کو عارضی طور پر مضبوط کرنا ہے، تاکہ وہ یہودیوں کے ساتھ مذاکرات اور معاہدوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل ہو سکے، جبکہ ٹرمپ "ابراہیمی معاہدوں" جیسی مزید ذلت آمیز چیزوں کی طرف منتقلی سے پہلے نارملائزیشن کی رفتار تیز کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں۔ اس کے علاوہ "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کا معاملہ ہے، جس سے ہمارے دشمنوں کا مقصد صرف اسلام، اہلِ اسلام اور ریاست کے سائے میں اسلام کے نفاذ کے لیے کام کرنے والوں کے خلاف لڑنا ہے، اور شام میں ان تقریباً بیس لاکھ شہداء کے خون کے بعد ایک خالص سیکولر نظام مسلط کرنا ہے جو اپنی شہادت سے پہلے پکار رہے تھے: "ہمارا لیڈر ہمیشہ کے لیے.. ہمارے سردار محمد ﷺ ہیں"۔

چوتھا: اپنی عادت کے مطابق، امریکہ اپنے نام نہاد شراکت داروں کی تجارت کرتا ہے؛ اس کے نزدیک آج کے آلات کل کا کوڑا کرکٹ بن جاتے ہیں جب ان کی میعاد ختم ہو جاتی ہے، وہ اپنا کردار ادا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا متبادل دستیاب ہو جاتا ہے۔ یہ رہی "قسد"، جس نے ایک کرد ریاست کے حصول کے لالچ میں خود کو امریکہ کی خدمت میں پیش کر دیا، اب اس کا قد چھوٹا کیا جا رہا ہے حالانکہ اس کا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ لہٰذا، وہ لوگ جو امریکہ کی چاپلوسی کر رہے ہیں اور اس کی قربت چاہتے ہیں، انہیں خبردار رہنا چاہیے کہ وہ اسی طرح کے جال میں نہ پھنس جائیں تاکہ ان کا انجام بھی ایسا ہی نہ ہو؛ کیونکہ امریکہ آج شراکت داری کے دعوے کے تحت جو کچھ بھی مانگ رہا ہے، وہ ایک خطرناک جال اور ایک بڑا شر ہے جو ہمارے دین، ہمارے انقلاب کے اصولوں اور ہماری حاصل شدہ فتح کے لیے خطرہ ہے۔

پانچواں: جو کامیابی اور آزادی حاصل ہوئی ہے اس کی اہمیت کے باوجود، اس کی قدر و قیمت بڑے خطرے میں ہے؛ اس کامیابی کی کیا اہمیت رہ جائے گی اگر اس کی قیمت خود مختاری کا سودا کرنا اور مبینہ مفادات یا ان کے ٹکراؤ کے بہانے امریکہ کی خدمت میں ایک عارضی آلہ بن جانا ہو؟! جیسا کہ بارہا کہا گیا ہے، جو امریکہ کی چادر اوڑھتا ہے وہ ننگا ہی رہتا ہے، اور عقل مند وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔ امریکی پالیسی کے ساتھ ہم آہنگی خطرے، تباہی اور مصیبتوں کا پتہ دیتی ہے؛ یہ وہ سراب ہے جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے، بلکہ یہ ایک ایسا پھانسی کا پھندہ ہے جو اپنے مالکوں کے گرد تنگ ہوتا جاتا ہے، اور ہمارے لیے پچھلے لوگوں میں بڑی عبرت ہے۔

چھٹا: شام میں امریکہ کی سب سے خطرناک مکاری یہ ہے کہ وہ اس فتح کو چھوٹا کرنا چاہتا ہے جو اس کے ایجنٹ اسد پر حاصل کی گئی ہے، اور جیتنے والوں کو اکیلے حکومت، فیصلے اور آزادی سے محروم کرنا چاہتا ہے، تاکہ وہ صرف ایک جزو بن کر رہ جائیں جیسا کہ حکومت کے دیگر اجزاء تھے جو مفرور ظالم اور اس کے فرسودہ نظام کی حمایت کرتے تھے۔ وہ ایک ایسی "شراکتی طاقت" چاہتے ہیں جس کا اثر و رسوخ ختم کر دیا گیا ہو، جیسے کوئی بغیر دانتوں اور ناخنوں کے شیر ہو، تاکہ پہچان کھو جائے، منزل دھندلا جائے، فیصلہ سازی چھین لی جائے، طاقت کے عوامل سلب کر لیے جائیں اور قربانیاں ضائع ہو جائیں تاکہ ہم دوبارہ وہیں پہنچ جائیں جہاں سے چلے تھے۔ امریکہ "اسلام پسندوں" پر کبھی بھروسہ نہیں کرتا کہ وہ اقتدار میں تنہا ہوں، چاہے وہ کتنے ہی وعدے اور رعایتیں کیوں نہ دیں جب تک انقلاب کی عوامی بنیاد اسلام کے ذریعے عزت چاہتی ہے۔ امریکہ کا موجودہ اتھارٹی کی بعض غلطیوں پر عارضی خاموشی کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ انہیں ان کے انقلاب کی فتح کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ ریاست کو امریکی طریقے سے سیکولر بنانا تبھی ممکن ہے جب اقتدار اور فیصلے کے مراکز میں "اقلیتیں" موجود ہوں، جیسے کہ انضمام کے عنوان سے یا سابقہ معاہدوں کی دفعات پر عمل درآمد کے بہانے سیکورٹی اور فوج میں دراندازی اور اثر و رسوخ حاصل کرنا۔

ساتواں: مسلمان کرد دین میں ہمارے بھائی ہیں، ان کی نجات ان علیحدگی پسند منصوبوں میں نہیں ہے جن کی تجارت کینہ پرور ممالک کرتے ہیں، اور ان کی نجات، جیسا کہ عربوں اور دوسروں کی ہے، صرف اسلام کی طرف واپسی میں ہے جو قوموں کے درمیان برابری پیدا کرتا ہے، حقوق کی ضمانت دیتا ہے اور "قسد" کی قیادت کے برعکس، جو ہمارے دین اور ہمارے رب کی شریعت کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان کرتی ہے، اسلام کی حکمرانی کے سائے میں عزت و بلندی لاتا ہے۔ ایسی قیادتوں اور اداروں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا واجب ہے کیونکہ وہ امت کے سینے اور پیٹھ میں ایک زہریلا خنجر ہیں، ان کا نہ کوئی عہد ہے نہ پیمان، اور وہ کسی مومن کے بارے میں نہ کسی قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں اور نہ کسی عہد کا۔

آٹھواں: صرف اسلام کے حل ہی اس مسئلے کو جڑ سے ختم کر سکتے ہیں اور ان ممالک کے ہاتھ کاٹ سکتے ہیں جو ہمارے معاملات کے ساتھ کھیل رہے ہیں، خاص طور پر چھوٹی نسلوں کے معاملے میں جنہیں مغرب کے ہاتھ استعمال کرتے ہیں اور انہیں سستے طریقے سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں نہ کہ ان کے مفادات کے لیے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ انہیں، بشمول "قسد" کی علیحدگی پسند ملیشیاؤں کو، فوج اور سیکورٹی میں شامل کرے اور ان کے اثر و رسوخ کو مضبوط کرے تاکہ فوج کو اس کی انقلابی صفت اور اسلامی رنگ سے محروم کر دیا جائے، حالانکہ مظلوم عبدی اور اس کے ساتھی مفرور بشار اور اس کے نظام کے پرانے کارندوں کی طرح خون بہا چکے ہیں، عزتیں پامال کر چکے ہیں اور حرمتوں کو پامال کر چکے

ہیں۔ ان کے لیے صرف قصاص ہی مناسب ہے اور ان کا اصل مقام جیل کی کوٹھریاں ہیں، نہ کہ فوج اور سکیورٹی میں اعلیٰ عہدے تا کہ ان اداروں کو سیکولر بنایا جا سکے، انقلابی اور جہادی روح کا محاصرہ کیا جا سکے اور فتح کے اثر اور اس کے جوہر کو ختم کیا جا سکے، اور یہ سب امریکی ہائی کمشنر ٹام باراک کے احکامات کی تعمیل میں کیا جا رہا ہے۔

اختتام: ان شاء اللہ شام میں ایمان کی چنگاری روشن رہے گی اور ہر خیر کی طرف دھکیلے گی، یہ سچے لوگوں کا ایندھن اور بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے مینارِ نور ہوگی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حقیقی فتح اور غلبے کا اذن دے دے، یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کے سائے میں اسلام کی حکمرانی، تا کہ ہم تاریخ کو نئے سرے سے لکھ سکیں، اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ وقت قریب ہو۔

ولایہ شام میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

امریکہ کے ساتھ فوجی تعاون: غلامی کا استحکام

وزارتِ قومی دفاع نے تیونسی-امریکی مذاکرات کے حوالے سے ایک سرکاری بیان جاری کیا ہے جو بدھ، 14 جنوری 2026 کی دوپہر کو وزیرِ دفاع خالد السہیلی اور افریقی امور کے لیے امریکی نائب معاون وزیرِ جنگ، برائن جے ایلس کے درمیان ہوئے۔

اس سرکاری بیان کے متن کے مطابق، مذاکرات کا بنیادی محور فوجی تعاون کو مضبوط بنانے اور اس کے شعبوں میں تنوع لانے کے طریقوں پر غور کرنا تھا، جس کے ساتھ ساتھ 2020-2030 کے فوجی تعاون کے روڈمیپ پر عمل درآمد جاری رکھنے کی اہمیت پر زور دیا گیا۔ ملاقات کے دوران، ایلس نے دوطرفہ تعاون کو مزید فروغ دینے، اس میں تنوع لانے اور مشترکہ روڈمیپ کو موجودہ مرحلے کی ضروریات کے مطابق جدید بنانے کے لیے اپنے ملک کی آمادگی کا اظہار کیا۔ اس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس مدد کا مقصد تیونس کی حیثیت کو تربیت اور فارمیشن کے لیے ایک علاقائی مرکز کے طور پر مضبوط کرنا ہے، تاکہ یہ سیکیورٹی کا ذریعہ اور خطے میں استحکام کا ایک بنیادی عنصر بن سکے۔ اس نے تیونس کو ایک "اسٹریٹیجک پارٹنر" قرار دیا جو ان افریقی ممالک میں صفِ اول میں شامل ہے جن کے امریکہ کے ساتھ اعتماد اور باہمی احترام پر مبنی ممتاز تعلقات ہیں۔

اس صورتحال کے حوالے سے حزب التحریر / ولایہ تیونس کے میڈیا آفس کی ایک پریس ریلیز میں درج ذیل نکات پر زور دیا گیا ہے:

اول: معاہدے نیتوں پر نہیں بلکہ صلاحیت، ڈیٹرنس (ردِ عمل کی قوت) اور توازن پر استوار ہوتے ہیں۔ امریکی لغت میں "اسٹریٹیجک پارٹنر" کا مطلب کوئی دوست یا برابر کا شراکت دار نہیں ہوتا، بلکہ اس سے مراد وہ مہرہ ہوتا ہے جو امریکی مفادات کے نظام میں ایک مخصوص کام انجام دیتا ہے۔

دوم: امریکی تربیت، اسلحے اور تجربات کے تبادلے پر انحصار کا مطلب کوئی مساوی اتحاد نہیں ہے، بلکہ یہ ملک کو افریقہ میں امریکی سیکیورٹی اہداف کے جال میں پھنسانا اور اس کا حصہ بنانا ہے۔

سوم: "پرانے دوست" یا "اتحادی" کی اصطلاح پر تاریخی جشن منانا تیونس کو اعتراض کرنے یا کسی خصوصی رعایت کا حق نہیں دیتا۔ بلکہ امریکی سامراجی منطق کے مطابق اس کے برعکس عملی طور پر مالی پابندیاں، کسٹم ڈیوٹی میں اضافہ اور

تیونسیوں کو امریکی امیگریشن ویزوں سے روکنے والی فہرست میں شامل کرنا سامنے آتا ہے کیونکہ انہیں عوامی سہولیات پر بوجھ تصور کیا جاتا ہے، جیسا کہ 21 جنوری 2026 سے امریکی محکمہ خارجہ کی ترجمان کے بیان میں کہا گیا ہے۔

پریس ریلیز میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ کوئی بھی عقل مند شخص یہ توقع کیسے کر سکتا ہے کہ امریکہ کے ساتھ اتحاد ہمارے مفادات کا تحفظ کر سکتا ہے، جبکہ وہ ایک ایسی استعماری ریاست ہے جس کے شر سے پوری دنیا محفوظ نہیں رہی؟۔ اسلام نے کفار سے بحیثیت ایک ریاست یا ادارے کے مدد لینے کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ» "مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو"۔ کیونکہ اتحاد کی فطرت دونوں فریقوں کی افواج کو ایک مشترکہ دشمن کے خلاف لڑنے پر مجبور کرتی ہے یا فوجی معلومات اور جنگی آلات کے تبادلے کا سبب بنتی ہے۔ درحقیقت امریکہ مسلم ممالک میں ہر جگہ جارحانہ کارروائیوں میں ملوث ہے اور غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اب بھی سب کے سامنے ہے۔

پریس ریلیز میں تیونس کے عوام کو متنبہ کیا گیا کہ سیاسی قیادت کی جانب سے یہ دھوکہ دہی دانستہ ہے کہ ان استعماری امریکی معاہدوں کو صرف تیونسی فوج کی آپریشنل تیاری اور فوجی صلاحیتوں کو بڑھانے تک محدود ظاہر کیا جا رہا ہے۔ جبکہ امریکہ واضح طور پر تیونس کو تربیت اور فارمیشن کے لیے ایک علاقائی مرکز بنانے کی بات کر رہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ روایتی معاہدوں سے کہیں آگے کا ہے۔ امریکہ ایک بہت بڑے منصوبے کا خاکہ تیار کر رہا ہے جسے مکمل کرنے کے لیے پورے 10 سال درکار رہیں، اور اس کے دعوے کے مطابق اس روڈ میپ کا تعلق سرحدوں کی نگرانی، بندرگاہوں کی حفاظت، انتہاپسندانہ فکر کے خلاف جنگ، اور روس و چین کا مقابلہ کرنے سے ہے۔ یہ سب کچھ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ تیونس کی خودمختاری میں کمی اور اس پر براہِ راست امریکی سرپرستی مسلط کرنے کے مترادف ہے۔

پریس ریلیز کے اختتام پر اس بات پر زور دیا گیا کہ: خلافت راشدہ کی ریاست، جس کے قیام کے لیے حزب التحریر تیونس کے عوام کو اپنے ساتھ مل کر کام کرنے کی دعوت دے رہی ہے، اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے دشمنوں کے ساتھ ہر قسم کے اتحاد سے بے نیاز ہے۔

حزب التحریر / امریکہ: "تقسیم سے اتحاد تک" کے عنوان سے کانفرنس کا انعقاد

حزب التحریر امریکہ نے خلافت کے خاتمے کی یاد منانے کے لیے منعقدہ ایک عالمی مہم کے سلسلے میں "تقسیم سے اتحاد تک" کے عنوان سے اپنی سالانہ کانفرنس کامیابی کے ساتھ منعقد کی ہے۔ اس کانفرنس میں تین تقاریر شامل تھیں جن کے بعد ایک کھلا مذاکراتی سیشن ہوا۔

پہلی تقریر کا عنوان "نعروں سے آگے: اسلامی اتحاد کا جوہر" تھا، جس میں جناب ہیثم نے اس بات پر زور دیا کہ امتِ مسلمہ، اگرچہ غزہ، سوڈان اور کشمیر جیسے بحرانوں پر غم، ہمدردی اور تشویش میں گہری وحدت رکھتی ہے، لیکن ایک متحد قیادت اور جامع سیاسی ڈھانچے کی عدم موجودگی کی وجہ سے عمل کے میدان میں اب بھی بکھری ہوئی ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ حقیقی اسلامی اتحاد نظم وضبط، ہم آہنگی اور قرآن و سنت سے ماخوذ احکامات پر مبنی ہوتا ہے۔ انہوں نے مزید واضح کیا کہ اسلام میں اتحاد کا مطلب "یکسانیت" نہیں ہے، بلکہ یہ مقصد اور ذمہ داری کا اتحاد ہے، جو صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب قیادت اور اجتماعی ذمہ داری کو بحال کیا جائے، تاکہ امت اپنے بیٹوں کی حفاظت، انصاف کا قیام اور انسانیت پر گواہ کے طور پر اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔

دوسری تقریر کا عنوان "بکھراؤ سے طاقت تک: ایک مربوط اسلامی بلاک کی تعمیر" تھا جس میں جناب زکی نے واضح کیا کہ اسلامی ممالک میں غربت کی وجہ وسائل کی کمی نہیں بلکہ سیاسی انتشار، بیرونی معاشی تسلط اور وہ انسان ساختہ نظام ہیں جو دولت کی منصفانہ تقسیم کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ انہوں نے توانائی، زراعت، معدنیات اور عالمی تجارت کے شعبوں میں اسلامی ممالک کی اسٹریٹجک اہمیت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ کس طرح تقسیم نے فراوانی کو محتاجی میں بدل دیا ہے۔ اسلام میں انصاف اور عوامی ملکیت کے اصولوں کی بنیاد پر، انہوں نے اسلامی حکمرانی کے سائے میں معاشی اور سیاسی اتحاد کی دعوت دی اور اس بات پر زور دیا کہ صرف اسلامی نظامِ حکومت ہی خود مختاری کی بحالی، دولت کی منصفانہ تقسیم کی ضمانت اور امتِ مسلمہ کو استحصال سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر ابو طلحہ نے اپنی اختتامی اور کلیدی تقریر، جس کا عنوان "خلافت: قیادت کا نیا تصور" تھا، میں اپنی حالیہ کتاب "مڈل ایسٹ ماڈل" کے موضوعات پر گفتگو کی۔ انہوں نے اسلامی ممالک میں جاری تنازعات کا ایک جامع تجزیہ پیش کیا اور امریکہ کی قیادت میں چلنے والے اس ماڈل کی وضاحت کی جسے انہوں نے "4+2" کا نام دیا ہے؛ ان کے مطابق یہ ماڈل علاقائی اشرافیہ اور منتخب اتحادوں کے ذریعے منظم عدم استحکام کو دوام دے گا تاکہ بیرونی تسلط کو برقرار رکھا جا سکے۔ انہوں نے واضح کیا کہ کس طرح اقتدار اپنی شرعی حیثیت کے بغیر خود کو برقرار رکھتا ہے، جس سے بکھراؤ اور وابستگی کو دوام ملتا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو موجودہ نظام کی محض اصلاح سے بالاتر ہو کر ایک ایسے نظام کے متبادل کی طرف بڑھنے کی دعوت دی جو خود مختاری اور طویل مدتی استحکام کو بحال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

کانفرنس کا اختتام سوال و جواب کے ایک سیشن پر ہوا جس میں مقررین نے حاضرین کے ساتھ براہِ راست تبادلہ خیال کیا۔

سیاسی استحکام بمقابلہ ترقی: عرب ممالک میں ایک ناممکن مساوات

شام کی صورتحال کا ایک جائزہ

تحریر: پروفیسر نبیل عبدالکریم

(ترجمہ)

عرب ممالک میں اکثر اس خیال کی تشہیر کی گئی ہے کہ معاشی ترقی کے لیے سیاسی استحکام ایک لازمی شرط ہے، اور یہ کہ کسی بھی قسم کی سیاسی آزادی بد نظمی کا باعث بن سکتی ہے اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ آزادی کے بعد کے دور سے عرب سیاسی بیانیے میں 'سیاسی استحکام بمقابلہ ترقی' کی یہ ثنائیت سب سے زیادہ نمایاں رہی ہے؛ جس میں اس تصور کو فروغ دیا گیا کہ ترقی صرف سیاسی استحکام کے سائے میں ہی ممکن ہے۔ اکثر اس استحکام سے مراد قانونی جواز یا اداروں پر مبنی استحکام نہیں، بلکہ عام طور پر مغربی ممالک کے زیرِ اثر حکمرانوں کے حق میں سیکورٹی کا کنٹرول اور تصادم کی عدم موجودگی لی گئی ہے۔

تاہم، یہ بات قابلِ غور ہے کہ طویل عرصے تک سیاسی استحکام سے لطف اندوز ہونے والے کئی ممالک پائیدار معاشی ترقی حاصل نہ کر سکے، جبکہ سیاسی تبدیلیوں سے گزرنے والے ممالک معاشی استحکام برقرار رکھنے میں ناکام رہے۔ یہاں استحکام اور ترقی کے درمیان تعلق کی نوعیت کے بارے میں ایک مرکزی سوال پیدا ہوتا ہے: کیا یہ تعلق شرطیہ ہے؟ یا باہمی تعامل پر مبنی ہے؟ یا پھر عرب تناظر میں یہ متضاد ہے؟

اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہم سیاسی معیشت (پولیٹیکل اکانومی) کے میدان کی طرف رجوع کرتے ہیں، جہاں لٹریچر سیاسی استحکام اور معاشی ترقی کے درمیان تعلق کی نشاندہی کرتا ہے، لیکن یہ تعلق خطی (linear) نہیں ہے، بلکہ کئی متغیرات پر منحصر ہے۔ ان متغیرات میں سیاسی نظام کی قسم، حکمران کی فطرت اور اس کے رجحانات، اور معاشی ڈھانچہ (چاہے وہ کرایہ پر مبنی 'رینٹیئر' ہو یا پیداواری) شامل ہیں، اس کے ساتھ ساتھ احتساب اور شفافیت کے اداروں کی

موجودگی یا عدم موجودگی بھی اہم ہے۔ ان اداروں کی غیر موجودگی ایک نام نہاد 'ظاہری استحکام' کا باعث بنتی ہے جس کا عکس ترقی میں نظر نہیں آتا، بلکہ یہ ادارہ جاتی کرپشن اور وسائل کی تقسیم میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔

جہاں تک عرب ممالک کی صورتحال کا تعلق ہے، تو ہم اکثر ایک ایسے جبری استحکام کا سامنا کرتے ہیں جو بحرانوں کو ٹال دیتا ہے مگر انہیں روکتا نہیں ہے۔ اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں:

مصر: پچھلی دہائی کے دوران ایک ایسا ماڈل پیش کرنے کے باوجود جس میں سیکورٹی کے استحکام کو اولین ترجیح دی گئی، خواہ وہ آہنی ہاتھوں اور طاقت کے بل بوتے پر ہی کیوں نہ ہو، اس سے کوئی حقیقی ترقی حاصل نہیں ہو سکی۔ بلکہ اس کے برعکس عوامی قرضوں میں اضافہ ہوا، قوتِ خرید میں کمی آئی، اور معاشرے کے طبقات کے درمیان خلیج وسیع ہو گئی، جبکہ متوسط طبقہ تقریباً مکمل طور پر ختم ہو گیا، جس کے نتیجے میں معاشرہ انتہائی غربت اور بے پناہ دولت کے درمیان تقسیم ہو گیا۔

خلیجی ممالک: انہوں نے غیر ملکی حمایت پر مبنی استحکام کی اعلیٰ سطحیں حاصل کیں، اور ایک ایسی معاشی ترقی کی جس کی بنیاد سیاسی یا معاشی شراکت داری کے بجائے تیل سے حاصل ہونے والی آمدن پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ استحکام اداروں کے بجائے مالیاتی صلاحیت (تیل) پر منحصر ہے، اور وسائل میں کسی بھی کمی کے ساتھ اس میں لرزہ پیدا ہو سکتا ہے۔

الجزائر: یہ ملک ایک جمود زدہ استحکام کی حالت میں جی رہا ہے؛ جہاں حقیقی ترقی کے بغیر صرف ظاہری سیاسی استحکام موجود ہے، جس نے سماجی اشتعال کو جنم دیا جو 2019 کی تحریک میں جزوی طور پر پھٹ پڑا۔ آج بھی یہ ملک ایک نئے دھماکے کے دہانے پر کھڑا ہے، کیونکہ یہ ایسا استحکام ہے جو بحران کو ٹالتا تو ہے مگر اس کا کوئی بنیادی حل پیش نہیں کرتا۔

عرب بیانیے میں، سیاسی استحکام کی تعریف عام طور پر قانون کی حکمرانی، اقتدار کی پر امن منتقلی، یا مضبوط اور آزاد اداروں کے طور پر نہیں کی جاتی۔ بلکہ اسے صرف ایک معنی تک محدود کر دیا گیا ہے اور وہ ہے کسی بھی قسم کی تبدیلی کی عدم موجودگی، چاہے وہ احتجاجی ہو یا سیاسی، اور مخالف آوازوں اور مقابلے کا خاتمہ۔ اس طرح عرب ممالک میں استحکام معاشرتی ہم آہنگی کے بجائے جبر پر مبنی ایک جبری استحکام بن گیا ہے، اور ریاستی ادارے معاشرے کی خدمت کے بجائے حکمران ٹولے کے مفاد میں نگرانی، لوٹ مار اور جبر کے آلات میں بدل گئے ہیں۔

اس تناظر میں ترقی ایک التوا کا شکار منصوبہ بن کر رہ جاتی ہے، جسے ایک ہی وقت میں وعدے اور دھمکی کے آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے؛ یعنی ترقی مکمل استحکام کے بعد آئے گی، بدنظمی کے خاتمے کے بعد آئے گی، تنقیدی آوازوں کو خاموش کرنے کے بعد آئے گی، اور اس کے بعد اور اس کے بعد... لیکن وہ کبھی نہیں آتی۔

یہاں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ طاقت کے ذریعے مسلط کردہ استحکام، اعلیٰ کارکردگی والے مضبوط ادارے پیدا نہیں کرتا، بلکہ وفاداری اور کرپشن کے نیٹ ورک قائم کرتا ہے۔ احتساب اور شفافیت کی عدم موجودگی میں ملک کے وسائل بیرونی حمایت یافتہ قابض ٹولے کے لیے مالِ غنیمت بن جاتے ہیں۔ اسی لیے عرب ممالک میں تبدیلی کے بغیر استحکام اور شراکت داری کے بغیر ترقی مسلط کی جاتی ہے، جس کا انحصار زیادہ تر کرایہ پر مبنی معیشت (خام دولت، امداد، ترسیلاتِ زر، بین الاقوامی قرضے وغیرہ) پر ہوتا ہے۔

عرب بہار کے تجربات کا مطالعہ کرتے ہوئے، کچھ لوگ اسے اس بات کی دلیل سمجھتے ہیں کہ تبدیلی بدنظمی کا باعث بنتی ہے، لیکن گہرائی سے مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ دھماکہ ترقی اور انصاف کی طویل عدم موجودگی کا نتیجہ تھا۔ نیز، وہ ممالک جو کسی حقیقی تبدیلی کے بغیر پرانے استحکام کی حالت میں واپس لوٹے، وہاں وہی بحران دوبارہ پیدا ہوئے لیکن پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ، جیسا کہ مصر اور تیونس کی مثالوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ استحکام جو عوامی قبولیت پر مبنی نہ ہو، وہ کمزور، عارضی اور کسی بھی وقت پھٹنے والا ہوتا ہے۔

شام کی حالت: 2011 سے پہلے، شام کو سخت سیکورٹی گرفت کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر ایک مستحکم ملک کے طور پر شمار کیا جاتا تھا۔ ایک گہری جڑیں رکھنے والے سیکورٹی نظام سے وابستہ جبر کی وجہ سے وہاں کوئی سیاسی مقابلہ نہیں تھا، جس نے عوامی قبولیت کے بجائے طاقت کے بل بوتے پر اپنا وجود برقرار رکھا تھا۔ حافظ الاسد نے اقتدار سنبھالنے کے بعد سے اس نظام کی بنیاد رکھی اور ایسی معیشت قائم کی جو 'کرونی کیپٹلزم' (مخصوص نوازے گئے افراد کی سرمایہ داری) پر مبنی تھی، چنانچہ متوسط طبقے کی جگہ نظام سے وابستہ ایک خاص طبقے نے لے لی، اور حکمران طبقے اور اس کے اتحادیوں کے حق میں غربت اور جبر میں اضافہ ہوا۔

2011 کے بعد استحکام ختم ہو گیا اور وہم بے نقاب ہو گیا، اور حالات دھماکہ خیز ہو گئے، کیونکہ وہاں نہ تو کوئی سماجی ادارے تھے اور نہ ہی کوئی حقیقی ترقیاتی معیشت۔ قانونی جواز کی کمی اور معیشت پر اجارہ داری اس دھماکے کی نمایاں ترین وجوہات تھیں، جس نے ریاست کو میدانِ جنگ میں بدل دیا۔ سیاسیات کی رو سے، جبری استحکام پہلے ہی جھٹکے کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے، اور اگر بیرونی مدد نہ ہوتی تو اس نظام کی عمر اتنی طویل نہ ہوتی۔ بنیادی ڈھانچے کی تباہی اور وسائل کی لوٹ مار کے ساتھ معیشت تباہ ہو گئی اور معاشرہ بکھر گیا، اور جابرانہ نظام بیرونی حمایت اور فنڈنگ کے سہارے قائم رہا۔

8 دسمبر 2024 کو، 14 سال کی جنگ کے بعد بشار الاسد کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور 'تحریر الشام' کی قیادت میں ایک عبوری دور کا آغاز ہوا، پھر جولانی کو ملک کا عبوری صدر مقرر کیا گیا۔ تاہم، موجودہ حقیقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ سابقہ نظام کی سیاسی اور معاشی منطق کو دوبارہ پیدا کیا جا رہا ہے، جس میں صرف اشرافیہ اور بیانیہ تبدیل ہوا ہے، لیکن طرزِ حکمرانی کی اصل وہی ہے۔

سابقہ نظام کے ڈھانچے کی واپسی کے نمایاں ترین مظاہر درج ذیل ہیں:

-فیصلے کی قوت کا ایک شخص یا ایک محدود حلقے کے ہاتھ میں مرکوز ہونا، اداروں کو پسماندہ کرنا، اور اختیارات کی تقسیم کا فقدان۔

-سیاسی اور سیکورٹی فیصلوں کی مرکزیت، اور سابقہ شامی صورتحال کی طرح بیرونی عوامل سے اس کا متاثر ہونا۔

-ایک ایسی قانونی حیثیت جو اس منطق پر قائم ہے کہ "جس نے آزاد کیا وہی فیصلہ کرے گا"، جیسا کہ پہلے یہ منطق تھی کہ "جو تحفظ فراہم کرے گا وہی فیصلہ کرے گا"! اور دونوں ہی صورتوں میں یہ جواز خوف پر مبنی ہے۔

-کثیر الجماعتی نظام (سیاسی تنوع) کو مسترد کرنا اور سیاست میں خوف کے ماحول کو دوبارہ پروان چڑھانا۔

-اقربا پروری کی معیشت، اجارہ داری اور کرپشن کے نظام کو دوبارہ پیدا کرنا۔

-کسی واضح معاشی اور ترقیاتی وژن کا فقدان، بلکہ تمام تر اقدامات نئے مقامی مہروں کے ذریعے بیرونی احکامات کی تعمیل اور محض بحران کے انتظام (crisis management) تک محدود ہونا۔

انصاف کا تقاضا ہے کہ یہاں کچھ فرق کے پہلو بھی ذکر کیے جائیں، جو کسی جواز کے طور پر نہیں بلکہ وضاحت کے لیے ہیں:

- آج کی حکمرانی ایک ایسی ریاست میں ہو رہی ہے جو تباہ حال، بکھری ہوئی اور حقیقی وسائل سے محروم ہے، اور جہاں مختلف بیرونی وفاداریاں موجود ہیں۔

-ابھی تک سابقہ دور کی طرح کا منظم اور ہمہ گیر جبر موجود نہیں ہے، لیکن سیکورٹی کا دباؤ بڑھ رہا ہے اور یہ خدشہ موجود ہے کہ یہ معاملہ ان چھوٹی نسلی اقلیتوں کے بجائے، جو اب بیرونی تحفظ میں آ چکی ہیں، خود سنیوں کے آپس کے تصادم میں نہ بدل جائے۔

-عبوری انصاف اور آئین کا بیانیہ اب بھی عملی ہونے کے بجائے زیادہ تر نظریاتی حد تک ہے، اگرچہ بیرونی دباؤ کی وجہ سے چھوٹی اقلیتوں کے حق میں اس کا کچھ حصہ نافذ کیا گیا ہے۔

استحکام اور بے امنی کو روکنے کے نام پر ایک نئی آمریت جنم لینا شروع ہو گئی ہے، جو پرانی آمریت سے بھی زیادہ خطرناک ہے؛ کیونکہ یہ انقلاب کے حامیوں میں گہری مایوسی پیدا کر رہی ہے، انقلاب کے آخری اخلاقی سرمائے کو ختم کر رہی ہے، اور ایک ایسے دھماکے کے بیج بو رہی ہے جو فی الحال تو مؤخر ہے مگر ناگزیر ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آلِ اسد کے نظام کے سقوط کا مطلب خود بخود طرزِ حکمرانی کے منطق کا خاتمہ نہیں نکلا، بلکہ وہی ماڈل صرف چہرے بدل کر برقرار ہے۔ وہ استحکام جو نظام کے ڈھانچے میں کسی بنیادی تبدیلی پر مبنی نہ ہو، وہ ہمیشہ کمزور اور کسی بھی وقت گرنے والا رہتا ہے، چاہے اس نے انقلابی یا عبوری دور کے کتنے ہی نعرے کیوں نہ لگا رکھے ہوں۔

اس خطے کے مستقبل کا فیصلہ اس بات سے نہیں ہو گا کہ اقتدار میں موجود قوت امن و امان نافذ کرنے کی کتنی صلاحیت رکھتی ہے، بلکہ اس کا دارومدار اس (پرانے) ماڈل کو توڑنے اور ایک ایسے نظام کی تعمیر پر ہے جو آزادی، عوامی قبولیت اور شراکت داری پر مبنی ہو، جو بیرونی وفاداریوں کو قبول نہ کرے، اور جس کی بنیاد ایک ایسے اصولی قاعدے پر ہو جو چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔

شامی عوام اس تمام کشمکش میں ترازو کا پلڑا ہیں، اور یہی وہ حقیقت ہے جس سے عالمی قوتیں خوفزدہ ہیں، اسی لیے وہ اسے کمزور کرنے کی تگ و دو میں رہتی ہیں۔ تاہم، یہ عوام انصاف، وقار اور آزادی کے طلبگار ہیں، اور وہ اپنی نجات کا واحد راستہ اللہ کی شریعت کی حاکمیت کی طرف واپسی میں دیکھتے ہیں؛ یہی وہ جذبہ ہے جس کی عکاسی ان کے نعروں اور احتجاجوں میں ہوتی ہے۔ میڈیا کی جانب سے حقائق چھپانے کی تمام تر کوششوں کے باوجود، بلادِ شام کے عوام کی فطرت اسلامی زندگی کی بحالی کے لیے تڑپ رہی ہے۔

آج ہمیں جن مشکلات کا سامنا ہے، وہ حق اور باطل کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لیے ہیں تاکہ اہلِ حق کے درمیان وہ فیصلہ کن معرکہ شروع ہو سکے جو رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو پورا کرنا چاہتے ہیں کہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ دوبارہ قائم ہو گی۔ یہ مقابلہ اس خالص باطل کے خلاف ہے جسے آزمائشوں نے بے نقاب کر دیا ہے اور اس کے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے، تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وہ وعدہ سچا ہو سکے: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ...﴾ "تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اللہ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت (حکمرانی) عطا فرمائے گا..." (سورۃ النور: آیت 55)

دہشت گردی: اسلام کے خلاف جنگ کرنے اور مسلمانوں کو مجرم ٹھہرانے کے لیے ایک امریکی بہانہ

تحریر: استاد عبد الخالق عبدون علی

(ترجمہ)

الجزیرہ ویب سائٹ نے 22 جنوری 2026 کو خبر دی کہ سوڈانی انٹیلی جنس کے سربراہ جنرل احمد ابراہیم مفضل نے واشنگٹن کا دورہ کیا اور سکیورٹی سمیت مختلف اہم مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔ سوڈان میں جنگ چھڑنے کے بعد دونوں فریقوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات کے دو دور مکمل ہونے کے بعد، انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل نے امریکی سی آئی اے (CIA) اور وزارتِ جنگ کے حکام کے ساتھ بات چیت کا تیسرا دور مکمل کیا، جس میں دہشت گردی کے خلاف تعاون، سکیورٹی ہم آہنگی اور بحیرہ احمر کے تحفظ پر توجہ مرکوز کی گئی۔

مبصرین کا ماننا ہے کہ مفضل کے دورہ واشنگٹن سے سوڈان کے استحکام کو علاقائی سلامتی سے جوڑ دیا جائے گا اور ہارن آف افریقہ اور ساحلی خطے میں اس کے فعال کردار کی بحالی ہوگی۔ یہ ایک ہفتہ طویل دورہ امریکی نائب وزیر خارجہ کرسٹوفر لینڈو کے مشرقی افریقہ کے دورے سے آٹھ دن پہلے ہوا، جس میں کینیا، جبوتی، مصر، ایتھوپیا اور علاقائی سلامتی سے براہِ راست منسلک کئی دیگر ممالک شامل تھے۔

ذرائع نے انکشاف کیا کہ واشنگٹن میں سوڈانی انٹیلی جنس چیف کی ملاقاتوں میں سی آئی اے اور امریکی وزارتِ جنگ کے حکام شامل تھے، جن کا مرکز دہشت گردی کا مقابلہ، سکیورٹی کوآرڈینیشن اور معلومات کا تبادلہ تھا۔ واشنگٹن کا خیال ہے کہ خرطوم کے پاس ساحلی اور ہارن آف افریقہ میں انتہا پسند گروہوں کی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات ہیں، اور صومالیہ جیسے ممالک میں بھی اس کا اثر و رسوخ ہے؛ مفضل نے گزشتہ ستمبر میں موغادیشو کا دورہ بھی کیا تھا۔

امریکہ کے ساتھ سوڈان کا سکیورٹی تعاون، خاص طور پر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں، کبھی نہیں رکا، یہاں تک کہ جب وہ دہشت گردی کی سرپرستی کرنے والے ممالک کی امریکی فہرست میں شامل تھا، اکتوبر 2020 میں اس کا نام

فہرست سے نکالے جانے سے پہلے ہی واشنگٹن نے انسانی حقوق کے ریکارڈ میں بہتری اور دہشت گردی کے خلاف تعاون کا اعتراف کر لیا تھا۔

امریکہ سوڈان کی جیو پولیٹیکل اہمیت اور 2005 میں افریقی انٹیلی جنس اور سیکیورٹی سروسز کمیٹی (سیسا-CISSA) کے قیام میں اس کے کردار کو بخوبی جانتا ہے۔ نیز جھیلوں کے خطے اور افریقی ساحل تک پھیلی اس کی سرگرمیوں سے واقف ہے، جو اسے ڈیٹا اور معلومات کے تبادلے کے ذریعے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں علاقائی سلامتی اور استحکام کے لیے کلیدی کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہیں۔

نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کوئی نئی بات نہیں ہے، اس معاملے پر سوڈانی حکام کے ساتھ بارہا بات چیت ہو چکی ہے۔ مثال کے طور پر، 16 مئی 2016 کو واشنگٹن ٹائمز نے امریکہ میں سوڈانی سفیر معاویا عثمان خالد کے حوالے سے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ان کا ملک پہلے ہی لیبیا، مصر، صومالیہ اور شمالی افریقہ کے دیگر علاقوں میں داعش کی سرگرمیوں کے بارے میں امریکی اور اتحادی سیکیورٹی ایجنسیوں کو اہم معلومات فراہم کر چکا ہے۔

اسی طرح، برہان نے 26 نومبر 2025 کو وال اسٹریٹ جرنل میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے ذریعے امریکی صدر ٹرمپ کو مخاطب کیا، جس میں انہوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا "مضبوط شراکت دار" بننے کی آمادگی ظاہر کی!! دہشت گردی اور سرحد پار نیٹ ورکس کا مقابلہ کرنے کا معاملہ واشنگٹن مذاکرات میں سرفہرست رہا، کیونکہ سوڈانی اداروں کے پاس ساحل، صحرا اور ہارن آف افریقہ میں انتہا پسند گروہوں کی نقل و حرکت کے بارے میں معلومات کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ، جسے امریکی پالیسی کا سب سے اہم آلہ سمجھا جاتا ہے، نے اب تک دہشت گردی کی ایسی واضح اور جامع تعریف کیوں نہیں دی جو حقیقت پر مبنی ہو اور سب پر لاگو ہو؟ امریکہ اور کافر مغرب دانستہ طور پر "دہشت گردی" کی کوئی جامع تعریف کرنے سے گریز کرتے ہیں تاکہ اسے جب اور جہاں چاہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکیں، اور ان کی ان کوششوں کو دبایا جاسکے جو وہ کافر مغرب کی غلامی اور استعمار سے آزادی کے لیے کر رہے ہیں! دہشت گردی کے خلاف جنگ حقیقت میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف امریکہ، اس کے آلات اور حلیفوں کی چلائی ہوئی ایک مہم ہے۔ اس کی وضاحت امریکی جنرل ویسلے کلارک کے بیان سے ہوتی ہے، جنہوں نے 2007 میں ایک میڈیا انٹرویو میں کہا تھا: "جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہم 11 ستمبر کے واقعات کا بدلہ لینے کے لیے افغانستان گئے تھے، وہ اپنی غلطی

درست کرلے؛ ہم 'اسلام' نامی ایک مسئلے کے لیے نکلے ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ اسلام ایک آزاد منصوبہ رہے جس میں مسلمان خود فیصلہ کریں کہ اسلام کیا ہے، بلکہ ہم ان کے لیے یہ فیصلہ کریں گے کہ اسلام کیا ہے"۔

ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی سے مراد دراصل اسلام اور مسلمان ہیں۔ کتنے ہی ایسے خونی اور وحشیانہ واقعات ہوئے جن میں بے شمار بے گناہ افراد مارے گئے اور وہ غیر مسلموں نے انجام دیے، لیکن اقوامِ متحدہ نے انہیں دہشت گردی قرار نہیں دیا۔ دوسری طرف، ایسے واقعات ہیں جن میں مسلمانوں پر بغیر کسی ثبوت یا گواہی کے الزام لگا دیا جاتا ہے اور اسے دہشت گردی کا نام دے دیا جاتا ہے! روس کا اہلِ شام کو اپنے بموں، تباہ کن ہتھیاروں اور فاسفورس سے جلانا اقوامِ متحدہ کی نظر میں دہشت گردی نہیں ٹھہرا اور نہ ہی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی کانفرنسیں بلائی گئیں۔ یہودیوں کا غزہ کا محاصرہ، اہلِ فلسطین کا قتلِ عام اور انہیں بھوکا رکھنا؛ فرانس اور اس کی ملیشیاؤں کا مالی کے مسلمانوں کو قتل کرنا؛ بدھ مت کے پیروکاروں کا روہنگیا مسلمانوں کا خون بہانا؛ وسطی افریقہ میں مسلمانوں کا قتل؛ اور چین کا ایغور مسلمانوں کا قتلِ عام—ان میں سے کسی کو بھی اقوامِ متحدہ یا مغربی ممالک نے دہشت گردی قرار نہیں دیا۔ تو پھر دہشت گردی آخر ہے کیا؟!!

یہ حیرت کی بات نہیں کہ مسلم ممالک کے کٹھ پتلی حکمران فروری 2015 کی واشنگٹن اینٹی ایکسٹریمزم (انسدادِ انتہا پسندی) کانفرنس کی سفارشات پر عمل پیرا ہیں، جس میں امریکہ نے 60 سے زائد ممالک کے وفود اور ماہرین کو جمع کیا تھا تاکہ اسلام کے خلاف جنگ لڑی جاسکے، مگر اس بار ہمارے ہی حکمرانوں اور سیاست دانوں کے ہاتھوں۔

اب امریکہ دہشت گردی کی آڑ میں اسلام کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھے ہوئے ہے، جو اس کا اصل ہدف ہے، اور اس کے لیے وہ خطے میں اپنی تابع، ایجنٹ اور حلیف ریاستوں کے انٹیلی جنس اداروں کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔

امریکہ اور مغربی ممالک ہی نے ہمارے ملکوں میں دہشت گردی کو پروان چڑھایا تاکہ امت کے اس منصوبے کا مقابلہ کیا جاسکے جو اب مسلمانوں کا ایک بڑا مطالبہ بن چکا ہے: یعنی 'خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ'۔ یہی وہ چیز ہے جو انہیں خوفزدہ کرتی ہے اور ان کی نیندیں حرام کر دیتی ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے قیام کے ساتھ ہی ہمارے علاقوں میں ان کا خاتمہ ہو جائے گا، بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی ان کا کھیل ختم ہو جائے گا جسے خلافت ان سے چھین لے گی۔ چنانچہ یہ لوگ اور ان کے ایجنٹ صرف اسلامی منصوبے کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ 4 دسمبر 2025 کو سی این این (CNN) نے امریکی وزیر خارجہ روبیو کا ایک بیان نشر کیا جس میں انہوں نے کہا: "شدت پسند اسلام نے یہ دکھا دیا ہے کہ اس کی

خواہش محض دنیا کے ایک حصے پر قبضہ کر کے اپنی چھوٹی سی خلافت پر قناعت کرنا نہیں ہے، بلکہ وہ توسیع چاہتا ہے۔ یہ اپنی فطرت میں انقلابی ہے۔ یہ مزید زمینوں اور آبادیوں پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے... اور یہ دنیا اور عمومی طور پر مغرب کے لیے ایک واضح اور فوری خطرہ ہے، خاص طور پر ریاستہائے متحدہ کے لیے جسے وہ دنیا میں برائی کا اصل منبع سمجھتے ہیں"۔

بش جونیئر نے بھی 11 اکتوبر 2006 کو وائٹ ہاؤس میں ایک پریس کانفرنس کے دوران کئی بار خلافت کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ عراق میں امریکہ کی موجودگی کا مقصد "ایسی خلافت کے قیام کو روکنا ہے جو ایک طاقتور ریاست بننے میں کامیاب ہو جائے گی اور مغرب کے مفادات کو خطرے میں ڈالے گی"۔ انہوں نے مزید کہا کہ مسلم انتہا پسند "خلافت کا نظریہ" پھیلانا چاہتے ہیں جو "لبرل ازم اور آزادیوں" کو تسلیم نہیں کرتا، اور وہ "سمجھدار اور اعتدال پسند لوگوں کو خوفزدہ کرنا، ان کی حکومتوں کا تختہ الٹنا اور خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں"۔

بے شک خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ اللہ کے حکم سے قائم ہو کر رہے گی؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ "وہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر نہیں رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے" (سورۃ التوبہ: آیت 32)۔ جی ہاں، یہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فضل، اس کی نعمت اور احسان ہے کہ حزب التحریر دوسری خلافتِ راشدہ کی دہلیز تک پہنچ چکی ہے، اور وہ زمامِ اقتدار سنبھالنے کے لیے تیار ہے تاکہ دنیا کو اسلام کی خیر و بھلائی کی طرف لے جاسکے۔ وہ تاریخ اور جغرافیہ بدلنے کے لیے کمربستہ ہے، اور یقیناً آنے والا کل دیکھنے والے کے لیے قریب ہے۔

ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

مشرقِ وسطیٰ کا المیہ: بیرونی غلبے اور اصولی نظریات کے درمیان کشمکش

بقلم: ڈاکٹر محمد جیلانی

(ترجمہ)

پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے اور 1924 میں خلافت کے خاتمے کے بعد سے مشرقِ وسطیٰ بین الاقوامی طاقتوں کے اثر و رسوخ کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے، جہاں اس خطے کی ہیئت اس طرح تشکیل دی گئی کہ خلافت کی واپسی کی راہ روکی جا سکے، جبکہ اس کے جغرافیائی محلِ وقوع، تیل و گیس جیسے توانائی کے ذرائع اور آبی گزرگاہوں کو عالمی اثر و رسوخ کی جنگ میں بطور ہتھیار استعمال کیا گیا۔ امریکہ نے گزشتہ سات دہائیوں کے دوران برطانوی استعماری سلطنت کی زیادہ تر باقیات کو وراثت میں پایا ہے، چاہے وہ فوجی بغاوتوں کے ذریعے ہو، تباہ کن جنگوں، فوجی اڈوں یا مالیاتی عالمگیریت کے ذریعے؛ امریکہ نے کوشش کی ہے کہ طویل مدتی غلبے کا ایک ایسا نمونہ تیار کیا جائے جس میں خطے کے ممالک ہی کو استعمال کر کے اپنے مفادات کے استحکام کو یقینی بنایا جائے، تاکہ ایسے علاقائی مہروں کے ذریعے اس تسلط کے اخراجات کو کم کیا جا سکے۔

امریکی حکمتِ عملی آج ایک ایسے فریم ورک کے تحت کام کر رہی ہے جس میں کنٹرول کا بوجھ چار علاقائی ستونوں پر تقسیم کیا گیا ہے، جیسا کہ 2018 میں بروکنگز اسٹریٹجک انسٹی ٹیوٹ کی ایک تفصیلی رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں ان ممالک کے نام درج ہیں جنہیں امریکہ اس خطے میں جغرافیائی و سیاسی استحکام اور سلامتی کو یقینی بنانے میں اپنی مدد کے لیے موزوں سمجھتا ہے، اور وہ ممالک ترکی، ایران، سعودی عرب اور یہودی وجود ہیں۔ جغرافیائی و سیاسی سلامتی اور استحکام کے تصور کا مطلب یہ ہے کہ نقشوں کی دوبارہ تشکیل کے بعد جغرافیائی صورتحال کو برقرار رکھا جائے، اور سیاسی نظاموں کی امریکی غلبے کے ساتھ وابستگی اور تابعداری کو یقینی بنایا جائے۔ امریکہ نے خطے پر اپنے غلبے کے لیے تین بنیادی اہداف مقرر کیے ہیں:

1۔ تیل، گیس اور نایاب معدنیات کی کسی بھی رکاوٹ کے بغیر مسلسل فراہمی۔

2۔ خطے کی اہم آبی گزرگاہوں کے ذریعے سمندری تجارت کا تسلسل۔

3۔ کسی بھی ایسے سیاسی نظام کے ظہور کو روکنا جو خطے میں امریکی اثر و رسوخ اور اس کے زیرِ کنٹرول عالمی نظام کے لیے خطرہ بن سکے، اور یہاں مراد 'ریاستِ خلافتِ راشدہ' ہے۔

ان ممالک کو اس استعماری مشن کی انجام دہی کے لیے نامزد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ترکی، ناٹو (NATO) اور اسلامی ممالک کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے، نیز ترکی کا یہ تاریخی مفاد بھی ہے کہ وہ خطے میں خلافت کی دوبارہ واپسی کی راہ روکے۔ جہاں تک ایران کا تعلق ہے، اس نے افغانستان، عراق اور شام جیسے پیچیدہ معاملات کو امریکی منصوبے کے حق میں سنبھالنے میں اپنی مہارت ثابت کی ہے، اور اپنے مخصوص فرقہ وارانہ نقطہ نظر کی وجہ سے وہ خطے میں کسی حقیقی اسلامی نظام کے قیام کو اپنے نظام کی اسلامیت کے حوالے سے جھوٹ اور منافقت کے بے نقاب ہونے کا سبب سمجھتا ہے۔ سعودی عرب نے 'پیٹرو ڈالر' نظام کے محافظ کے طور پر اپنا تاریخی کردار ادا کیا ہے جس نے 1974 سے امریکہ کو ڈالر کے ذریعے مکمل عالمی غلبہ حاصل کرنے کے قابل بنایا، اور اس نے اب تک ایک ایسا بیانیہ پیش کیا ہے جو سیاسی اسلام کے خلاف نبرد آزما ہے اور موجودہ نظاموں کو جواز فراہم کرنے اور انہیں مسلمان عوام سے تحفظ دینے کا کام کرتا ہے۔ آخر میں یہودی وجود ہے، جسے 1917 کے اعلانِ بالفور کے ذریعے وجود میں لانے کے بعد سے عمومی طور پر مغربی مفادات، بالخصوص برطانیہ اور پھر امریکہ کے تحفظ کے لیے ایک جدید فوجی اور انٹیلی جنس بیس تصور کیا گیا ہے؛ اور یہ بات 2023 سے غزہ پر جاری وحشیانہ جارحیت کے دوران واضح طور پر سامنے آئی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ پر اس مکمل غلبے کو یقینی بنانے کے ضامن امریکہ اور روس ہیں، تاکہ کسی بھی چینی یا یورپی مقابلے کو روکا جا سکے۔ ہم نے دیکھا کہ روس نے شام میں اپنا کردار کس طرح بھرپور طریقے سے ادا کیا، یہاں تک کہ جب مشن مکمل ہو گیا اور شام کی حکومت اور عوام امریکی غلبے کے زیرِ اثر آ گئے، تو روس میدان سے ایسے نکل گیا جیسے وہ کبھی وہاں موجود ہی نہ تھا!

تاہم، یہ امریکی منصوبہ اپنی ساخت کے اندر ہی ایک ایسی بنیادی رکاوٹ سے ٹکرا رہا ہے جو خود یہودی وجود کی فطرت ہے، کیونکہ وہ عدم استحکام کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ حقیقت اس کے ان بنیادی مطالبات سے عیاں ہوتی ہے جو خطے کے بارے میں امریکی وژن سے متصادم ہو سکتے ہیں، یا جن کے لیے زیادہ محنت، وقت اور طویل جنگوں کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم غزہ میں دیکھ رہے ہیں۔ اس یہودی وجود کا المیہ ان معاملات اور مطالبات میں ظاہر ہوتا ہے جنہیں وہ اسٹریٹجک طور پر انتہائی اہم اور خطرناک سمجھتا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ فلسطینی ریاست کے معاملے کو ختم کرنا: زمینوں کے عملی الحاق اور بستیوں کی توسیع پر یہودی وجود کا اصرار مستقبل میں کسی بھی فلسطینی ریاست کے قیام کے امکان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر رہا ہے۔ یہ تصور ترکی اور سعودی عرب کو ان کے اپنے عوام کے سامنے ایک مشکل صورتحال میں ڈال رہا ہے اور امریکی ماڈل کی بے بسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ نیز، یہ فلسطین کے اس تاریخی مسئلے کے حل کو بھی ختم کر رہا ہے جو فلسطین پر قبضے اور اس کے باشندوں کی بڑی تعداد کو دنیا کے مختلف حصوں میں بے گھر کرنے کی صورت میں موجود ہے۔ یہی ایک عنصر امریکی وژن کے مطابق خطے میں جغرافیائی و سیاسی استحکام کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے کافی ہے۔

2۔ جلاوطنی (ہجرت) کا عقیدہ اور یہودی حاکمیت: غاصب صہیونی وجود ایک نسلی ریاست کے طور پر 'یہودی ریاست' کے نظریے کو اپنائے ہوئے ہے اور اپنی جغرافیائی حدود کو وسعت دے رہی ہے، جو اس خطے کو زبردستی بے دخلی اور جلاوطنی کی نئی لہروں کی طرف دھکیل رہی ہے، یہاں تک کہ خود اس ریاست کے اندر سے بھی لوگوں کو نکالا جا رہا ہے۔ یہ پالیسی پورے خطے کو ایک دہکتے ہوئے انگارے کی مانند بنا رہی ہے، جو اس استحکام کے ہدف کو نقصان پہنچا رہی ہے جس کی خواہش امریکہ اپنے علاقائی منصوبے کی تکمیل کے لیے رکھتا ہے۔

3۔ انفرادیت اور سٹریٹیجک برتری: یہودی وجود کسی بھی قسم کے علاقائی طاقت کے توازن کا حصہ بننے سے انکاری ہے اور مطلق فوجی و جوہری برتری پر اصرار کر رہا ہے، جو اس امریکی منصوبے کے دیگر ستونوں (ایران، ترکی اور سعودی عرب) کو محض بے چین ماتحت بنا کر رکھ دے گا۔ یہ وجود اب بھی ایران کو جوہری ہتھیاروں کے حصول سے روکنے کے لیے فیصلہ کن حملوں کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ یہ عمل امریکہ کے 'علاقائی توازن' کے اس اصول سے متصادم ہے جو کسی بھی خطے میں کسی ایک ریاست کو تنہا سٹریٹیجک برتری حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، جیسا کہ ہم انڈوچائنا کے خطے میں دیکھتے ہیں جہاں چین اور بھارت، اور پھر بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک جوہری توازن موجود ہے۔ لیکن مشرقِ وسطیٰ میں یہودی وجود جوہری و سٹریٹیجک طاقت میں تنہا رہنے پر بضد ہے، جو امریکی جیوپولیٹیکل استحکام کے تصور کے سامنے ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ یہودی وجود (اس مضمون کی تحریر کے وقت) مشرقِ وسطیٰ میں امریکہ کی پالیسی کے بنیادی خدوخال کو چیلنج کرتے ہوئے ایران پر فیصلہ کن حملوں کی تیاریاں اور مشقیں کر رہا ہے۔

یہودی وجود کے ہٹ دھرم رویے سے پیدا ہونے والے اس تعطل کے پیشِ نظر، امریکہ ترکی اور ایران کے ستونوں کو اس طرح استعمال کر رہا ہے کہ ایک ایسا توازن برقرار رہے جو بڑے دھماکے کو روک سکے: حال ہی میں شام میں یہودیوں

کی سرکشی کو لگام دینے کے لیے ترکی اور ایران کے درمیان ہم آہنگی کی خبریں بھی سامنے آئی ہیں۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ خطے میں یہودی وجود کے مطالبات کبھی ختم نہیں ہوں گے، اور یہی مطالبات اب ایک محفوظ، مستحکم اور مکمل طور پر امریکی تسلط کے تحت مشرقِ وسطیٰ کے امریکی منصوبے کی تکمیل میں آخری رکاوٹ بن چکے ہیں۔

جہاں تک مشرقِ وسطیٰ کے لیے امریکی ماڈل کو درپیش سب سے بڑے چیلنج کا تعلق ہے، تو وہ ایک اسلامی حتمیت اور تاریخی سفر کے طور پر 'ریاستِ خلافت' ہے۔ خلافت کا ماڈل ملکی تقسیم اور استعماری حدود کو مسترد کرتا ہے، اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ حقیقی استحکام غیر ملکی نگرانی میں قائم طاقت کے کسی نازک توازن سے حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس کا حل ایک ایسی اصل سیاسی وحدت میں ہے جو امت کی حاکمیت کو بحال کرے اور استعمار کا خاتمہ کرے، جس کی بنیاد توازنِ طاقت کے بجائے فکری اور سیاسی اتحاد پر ہو۔ اسی اتحاد نے 1924 تک اس خطے میں صدیوں پر محیط تہذیبی ہم آہنگی اور حقیقی استحکام پیدا کیا تھا۔

امریکہ نے مشرقِ وسطیٰ پر اپنے غلبے کے منصوبے کا آغاز 1950 سے 'ٹرومین ڈاکٹرائن' کے تحت کیا، جس کا ذکر اس کے سابق وزیرِ خارجہ ڈین ایچی سن نے اپنی یادداشتوں "پریذنٹ ایٹ دی کریشن" (Present at the Creation) میں کیا ہے؛ "کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکی حکمتِ عملی کا دارومدار اس بات پر تھا کہ جہاں کہیں سے بھی سلطنتیں پسپا ہوں وہاں پہل کر کے قیادت سنبھال لی جائے"، اور ایک ایسے عالمی نظام کی از سرِ نو تشکیل کی جائے جس میں امریکی طاقت اپنی عسکریت، معیشت اور نظریے کے ساتھ برطانوی سامراجی وجود کی جگہ لے لے، اس طرح کہ امریکی طاقت بذاتِ خود بظاہر استعماری نظر نہ آئے۔ 1950 سے اب تک امریکہ نے زمینی سطح پر بہت سے فوائد حاصل کیے ہیں، جن میں مشرقِ وسطیٰ کے بیشتر ممالک پر غلبہ اور دیگر ممالک میں فوجی اڈوں کا قیام شامل ہے۔ اس کے باوجود، 75 سال کی مسلسل کوششوں، سینکڑوں اربوں ڈالر کے اخراجات اور لاکھوں مسلمانوں کی جانیں لینے کے بعد بھی اس کا منصوبہ ابھی تک ادھورا ہے۔

اس کے مقابلے میں، حزب التحریر کی قیادت میں اسلامی منصوبہ امریکی منصوبے کے تین سال بعد (1953 میں) شروع ہوا۔ 73 سال کی فکری کشمکش اور سیاسی جدوجہد کے بعد، یہ منصوبہ 50 سے زائد اسلامی ممالک میں پھیل چکا ہے اور وہاں مستحکم ہو گیا ہے۔ تمام تر سیاسی، مالی اور حفاظتی رکاوٹوں کے باوجود یہ ان ممالک کے عوام میں حکمرانی کے لیے اسلام کی واپسی اور مسلم ممالک کی وحدت کی ضرورت کے بارے میں ایک عوامی رائے پیدا کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ اب

'خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ' کے قیام کی صورت میں اس اسلامی منصوبے کے عملاً نافذ ہونے اور مطلق حاکمیت حاصل کرنے کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ باقی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی واضح نصرت حاصل ہو گی، ان شاء اللہ؛﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ "اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"(سورۃ یوسف: آیت 21)

اے مسلمانوں! مطلوبہ تبدیلی اور باطل کو شکست دینے کے لیے میدانِ عمل میں نکل آو

اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں یہ سنت رہی ہے کہ ایک قوم آتی ہے اور اس کے بعد دوسری قوم اس کی جگہ لیتی ہے، خواہ وہ حق والے ہوں یا باطل والے۔ آج باطل قوتیں غلبے، اثر و رسوخ اور دولت کے حصول کے لیے آپس میں دست و گریبان ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تصدیق ہے جو اس نے انسانی گروہوں کے درمیان تصادم کی سنت کے بارے میں فرمایا ہے:﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ "وہ لوگ جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا صرف اس جرم میں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، گرجے، معبد اور مسجدیں ڈھائی جاچکی ہوتیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بے شک اللہ بڑی قوت والا اور نہایت غالب ہے" (سورۃ الحج: آیت 40)۔ ہم مسلمان جب عالمی حالات کا جائزہ لیتے ہیں، تو یہ سیاسی تفریح کے لیے نہیں کرتے، بلکہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اللہ کے اذن سے ایک بار پھر اسلامی احکام کے ذریعے دنیا کا مستقبل تشکیل دے سکیں۔ سیاسی شعور کا تقاضا ہے کہ ہم حالات کو اسلامی عقیدے کے زاویے سے دیکھیں، کیونکہ اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ کفار کے تکبر اور ٹرمپ اور اس کے چیلوں کی فرعونیت سے خوفزدہ نہ ہوں اور نہ ہی غمگین ہوں۔ فرعون اور اس سے پہلے عاد و ثمود وہ اقوام تھیں جنہوں نے زمین میں سرکشی کی اور فساد برپا کیا، پھر تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ یہی انجام امریکہ اور اس کے سرمایہ دارانہ نظام کا ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے "نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت" قائم ہوگی۔

پس اے مسلمانوں! اس تبدیلی کے لیے اٹھ کھڑے ہو جس کا ہم سب کو انتظار ہے اور باطل کو مٹانے کے لیے عمل کی طرف آو۔ عمل کی طرف بڑھو اور باطل کے اس ظاہری ابھار سے خوف، کمزوری یا بے بسی کا شکار نہ ہو، کیونکہ یہ سیلاب کے جھاگ کی طرح ہے جو اڑ جائے گا۔﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

الأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللّهُ الأَمْثَالَ﴾. "پس رہا جھاگ تو وہ ضائع ہو کر ختم ہو جاتا ہے، اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو نفع دیتی ہے تو وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے، اللہ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے"(سورۃ الرعد: آیت 17)۔

غزہ کے بغیر امن کونسل..... غزہ محض ایک بہانہ ہے!

تحریر: استاد عبد اللہ النبالی

(ترجمہ)

جنگوں کی تھکی ہاری اس دنیا میں "امن" کا لفظ اتنا دلکش معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آڑ میں وسیع تر اور مبہم ترین منصوبوں کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ اور جب زخمی اور ڈھال بنے ہوئے غزہ کو ایک نئی بین الاقوامی کونسل کا عنوان بنا کر پکارا جا رہا ہے، تو انسان کو یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید دنیا نے بالآخر اس کے درد کو سننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن حیران کن تضاد یہ ہے کہ وہ غزہ، جس کے نام پر اس کونسل کو پیش کیا گیا، وہ اس کے منشور سے مکمل طور پر غائب ہے۔

نہ تو غزہ کی پٹی کا کوئی ذکر ہے، نہ وہاں کی تکالیف کی کوئی تفصیل، نہ ہی وہاں کیے گئے قتلِ عام کا کوئی حوالہ ہے اور نہ ہی اسے تباہ کرنے والوں کی ذمہ داریوں کا کوئی تعین کیا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے غزہ محض ایک گزرگاہ یا ایک لفظی بہانہ تھا تاکہ ایک ایسے نئے بین الاقوامی وجود کو راستہ دیا جا سکے جو الیے کی بات کرنے کے بجائے دنیا کی ترتیبِ نو کرے۔

اس "مجلسِ امن" کا اعلان تو غزہ کی تعمیرِ نو کے ایک ڈھانچے کے طور پر کیا گیا تھا، لیکن جلد ہی اس کا منشور سامنے آ گیا جو کہیں زیادہ وسیع تر ذمہ داریاں رکھتا ہے: یعنی دنیا بھر میں مسلح تنازعات کا انتظام، استحکام کا قیام اور بہتر طرزِ حکمرانی کی بحالی۔ یہاں سے وہ بھاری سوالات اٹھنا شروع ہوئے ہیں کہ ایک تباہ حال علاقے کی تعمیرِ نو کب سے بین الاقوامی نظام کی نئی تشکیل کا دروازہ بن گئی؟ اور کس نے اس فریق کو، جس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں، یہ حق دے دیا کہ وہ امن کی تعریف کرے، اس کے میدانوں کا تعین کرے اور اس کے ارکان کا انتخاب کرے؟ اور وہ جو ہتھیاروں کے ذریعے جنگوں کی مالی معاونت کرتا ہے، عالمی تنازعات کو شہ دیتا ہے اور ان کی آگ بھڑکاتا ہے، وہ امن کا لبادہ کیسے اوڑھ سکتا ہے؟

یہ منشور اپنی اصل ساخت کو نہیں چھپاتا، کیونکہ صدر محض ایک 'کوآرڈینیٹر' نہیں بلکہ ایک اعلیٰ اتھارٹی ہے: وہی ارکان کا انتخاب کرے گا، عہدیداروں کا تقرر کرے گا، متن کی تشریح کرے گا، ویٹو کا حق رکھے گا، بلکہ کونسل کو تحلیل کرنے یا اس کی مدت میں توسیع کا تنہا فیصلہ بھی اسی کا ہوگا۔ آج ہم کسی ایسی بین الاقوامی تنظیم کے سامنے نہیں کھڑے جسے ہم ماضی کی تعریف کے مطابق جانتے تھے، خواہ وہ استعماری طاقتوں کی تخلیق ہی کیوں نہ ہو، بلکہ ہم ایک ایسے شخصی فیصلے کے

مرکز کے سامنے ہیں جس پر قانونی زبان کا نقاب چڑھا ہوا ہے، جس میں ٹرمپ اس طرح حکم دیتا ہے جیسے وہ اس زمانے کا فرعون ہو، جو پوری دنیا کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے اور جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اس لحاظ سے، یہ کونسل بین الاقوامی نظام کا تسلسل نہیں بلکہ اس کا متبادل معلوم ہوتی ہے۔ اقوامِ متحدہ، سلامتی کونسل، بین الاقوامی قانون اور وہ تمام روایات جو انسانیت نے بڑی جنگوں کے بعد جمع کی تھیں، ان سب کی جگہ ایک نیا ڈھانچہ لے رہا ہے جس کا منشور واشنگٹن میں رکھا گیا ہے اور جس کے تمام معاملات ایک ہی ارادے سے چلائے جائیں گے، گویا یہ ایک مرحلے کے خاتمے اور ایک نئے دور کے آغاز کا اعلان ہے جس میں دنیا امریکی طاقت اور اس کے جبر کے رحم و کرم پر ہو گی۔

اس منشور میں سب سے خطرناک چیز صرف طاقت کا ارتکاز نہیں، بلکہ قوموں کے دکھوں اور ان کے خون کو تجارتی سودوں میں بدلنا ہے، یہاں تک کہ بہایا گیا خون مذاکرات کا سامان اور عالمی سٹاک ایکسچینج کی سکرین پر ایک حصہ (شیئر) بن جائے، جو بااثر افراد اور مجرموں کے خزانوں میں وافر دولت لائے۔ یہاں دنیا کا استحکام واقعی اضطراب اور جہنم میں بدل جائے گا، گویا دنیا سے واضح طور پر کہا جا رہا ہے: جس کے پاس پیسہ ہے وہ امن بنانے میں حصہ لے گا، اور جس کے پاس نہیں ہے، وہ صرف اس کے نتائج بھگتنے پر اکتفا کرے۔

جہاں تک غزہ کا تعلق ہے، جس کے زخم ابھی تک کھلے ہیں، اسے ایک "ٹیکنوکریٹ کمیٹی" تک محدود کر دیا گیا ہے جو بغیر کسی خود مختاری، بغیر کسی سیاسی فیصلے اور بغیر کسی ضمانت کے روزمرہ کے معاملات چلائے گی! زندگی تو چلائی جائے گی، لیکن مسئلہ حل نہیں کیا جائے گا! ملبہ تو صاف کیا جائے گا، لیکن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اسے گرایا کس نے تھا! اس طرح درد کو اس کے سبب سے الگ کر دیا جائے گا، اور نتائج کا علاج کیا جائے گا جبکہ مجرم کو جوابدہی سے بچایا جائے گا۔

اور جب "امن" کے منظر نامے میں وہ چہرے سب سے آگے ہیں جن کا تاریخی تعلق مشرقِ وسطیٰ کے بحرانوں کو حل کرنے سے نہیں بلکہ انہیں سنبھالنے (اور الجھانے) سے رہا ہے، تو یہ سوال مزید سنگین ہو جاتا ہے کہ کیا امن انہی اوزاروں سے بنایا جا سکتا ہے جنہوں نے تباہی کی صورت گری کی تھی؟

یہ کونسل اپنی حقیقت میں غزہ کے المیے کا علاج نہیں کرے گی، بلکہ اسے ایک نئے عالمی نظام کے نقطہ آغاز کے طور پر استعمال کرے گی، ایک ایسی دنیا جہاں تنازعات اور جنگوں کو تجارتی سودوں کی طرح چلایا جائے گا، اور جہاں طاقت کو اس

کا اپنا قانونی تحفظ فراہم کیا جائے گا یہاں تک کہ دنیا ایک منظم افراتفری کی طرف بڑھے گی۔ ایک ایسی دنیا جہاں ریاستوں سے کہا جائے گا کہ بقا صرف طاقتور کی ہے اور استحکام صرف اس کے لیے ہے جو قیمت ادا کرے!

دنیا آج اس مقام پر پہنچ چکی ہے، جہاں اسے ایک ہی مرکز سے چلایا جا رہا ہے، ایک ہی ارادے میں سمیٹا جا رہا ہے، اور اسے ایک ایسی طاقت کی اطاعت پر مجبور کیا جا رہا ہے جو کسی قانون کے تابع نہیں اور جو تلوار اور تکبر کی طاقت استعمال کرتی ہے، یہ دراصل وہی لمحہ ہے جو بڑی سلطنتوں کے زوال سے پہلے آتا ہے۔

تاریخ سیدھی لکیر میں سفر نہیں کرتی۔ سلطنتیں جب اپنی مطلق قدرت کے احساس کی انتہا کو پہنچ جاتی ہیں، تو وہ حقیقت میں اپنے زوال کے راستے پر چل پڑی ہوتی ہیں۔ یہی حال فارس کا تھا، یہی روم کا تھا، اور یہی ہر اس طاقت کا تھا جس نے یہ گمان کیا کہ دنیا کو صرف تلوار یا اپنی مرضی کے مطابق ڈھالے گئے قانون سے چلایا جا سکتا ہے۔

یہاں تک کہ اسلام اور مسلمان آئے جنہوں نے فارس اور روم کی سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا، استبداد، غلامی اور محکومی کا خاتمہ کیا اور دنیا بھر میں عدل و انصاف کے نقش و نگار بنائے۔ یہاں تک کہ رِبعی بن عامر رضی اللہ عنہ، فارس کے سپہ سالار رستم کے سامنے کھڑے ہوئے تا کہ وہ الفاظ رقم کریں جو پوری دنیا کو فرعونوں اور متکبرین کے جرائم سے نجات دلائیں گے: نحن قوم بعثنا الله لنخرج العباد من عبادة العباد إلى عبادة رب العباد، ومن جور الأديان إلى عدل الإسلام، ومن ضيق الدنيا إلى سعة الدنيا والآخرة "ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے مبعوث کیا ہے تا کہ ہم لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی بندگی کی طرف لے جائیں، مذاہب کے جبر سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت کی طرف لے جائیں۔"

چنانچہ آج دنیا کو موجودہ حالات سے کوئی چیز نجات نہیں دلا سکتی اور نہ ہی اس میں استحکام، وقار اور عدل واپس آ سکتا ہے سوائے اسلام اور ریاستِ اسلام کے ذریعے؛ یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے ذریعے جو ان شاء اللہ بہت جلد قائم ہونے والی ہے۔

حزب التحریر / تنزانیا: انہدامِ خلافت کی 105 ویں برسی کی مناسبت سے سیمینار کا انعقاد

انہدامِ خلافت کی 105 ویں برسی کے موقع پر، حزب التحریر تنزانیا نے اتوار، 29 رجب 1447ھ بمطابق 18 جنوری 2026ء کو دارالسلام شہر کے علاقے ایلالا بونگونی میں واقع مسجد التقویٰ میں ایک مختصر سیمینار منعقد کیا۔

صبح 9 بجے سے دوپہر 12 بجے تک جاری رہنے والے اس سیمینار میں 80 شرکاء نے حصہ لیا، جن میں دارالسلام اور اس کے گردونواح سے تعلق رکھنے والے ائمہ، اساتذہ، شیوخ اور دیگر اہم شخصیات شامل تھیں۔

سیمینار کا افتتاح حزب التحریر تنزانیا کی مرکزی رابطہ کمیٹی کے چیئرمین شیخ موسیٰ کیلیو نے کیا، جہاں تین بنیادی محور پیش کیے گئے: خلافت کیا ہے؟ خلافت کا انہدام، اور اس کی واپسی کا طریقہ کار۔

شرکاء کو سوالات پوچھنے، اپنی رائے دینے اور زیرِ بحث موضوعات پر گفتگو میں حصہ لینے کا موقع دیا گیا، اور ان میں پیش کردہ تقاریر کے نسخوں کے ساتھ ساتھ امیرِ حزب التحریر، عالمِ جلیل عطاء بن خلیل ابو الرشتہ (حفظہ اللہ) کا وہ خطاب بھی تقسیم کیا گیا جو انہوں نے انہدامِ خلافت کی 105 ویں برسی پر دیا تھا۔

سیمینار کا اختتام حزب التحریر تنزانیا کے میڈیا نمائندے جناب مسعود مسلم نے کیا، جنہوں نے شرکاء اور امتِ مسلمہ پر زور دیا کہ وہ اس بنیادی اور ناگزیر مقصد یعنی ریاستِ خلافت کے قیام کی جدوجہد میں شامل ہوں، جو مسلمانوں کی محافظ اور پوری انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہے۔

"اور وہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں"

مغرب نے ایک دن بھی اسلام کے خلاف لڑنے اور اس سے روکنے میں سستی نہیں کی، جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تصدیق ہے:﴿وَلاَ يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىَ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾ "اور وہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں"(سورۃ البقرۃ: آیت 217)۔ سید قطب رحمہ اللہ اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" میں لکھتے ہیں: علیم و خبیر (اللہ) کا یہ سچا بیان شر پر اس خبیثانہ اصرار اور مسلمانوں کو ان کے دین کے بارے میں فتنے میں ڈالنے کی کوشش کو بے نقاب کرتا ہے، جو دشمنوں کا ایک مستقل اور طے شدہ ہدف ہے۔ یہ وہ مقصد ہے جو ہر زمین اور ہر نسل میں مسلم جماعت کے دشمنوں کے لیے کبھی نہیں بدلتا۔

زمین پر اسلام کا وجود ہی اپنے آپ میں اس دین کے دشمنوں اور مسلم جماعت کے دشمنوں کے لیے ہر وقت غصے اور خوف کا باعث ہے۔ اسلام اپنی ذات میں انہیں تکلیف دیتا ہے، غصہ دلاتا ہے اور خوفزدہ کرتا ہے۔ وہ اس قدر طاقتور اور مضبوط ہے کہ ہر باطل پرست اس سے ڈرتا ہے، ہر سرکش اس سے لرزتا ہے اور ہر مفسد اس سے نفرت کرتا ہے۔ یہ اپنی ذات اور اپنے روشن حق، درست منہج اور بہترین نظام کی وجہ سے خود ہی ایک جنگ ہے۔ ان سب خصوصیات کی وجہ سے یہ باطل، سرکشی اور فساد پر ایک اعلانِ جنگ ہے، اسی لیے باطل پرست، سرکش اور مفسد اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ اہل اسلام کی گھات میں رہتے ہیں تاکہ انہیں فتنے میں ڈال کر ان کے دین سے دور کر دیں اور انہیں کفر کی کسی نہ کسی صورت میں لوٹا دیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک زمین پر اس دین پر ایمان رکھنے والی، اس منہج کی پیروی کرنے والی اور اس نظام کے تحت جینے والی کوئی مسلم جماعت موجود ہے، وہ اپنے باطل، سرکشی اور فساد کے بارے میں مطمئن نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں کے خلاف ان دشمنوں کی جنگ کے ذرائع اور آلات بدلتے رہتے ہیں لیکن مقصد ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے کہ اگر بس چلے تو سچے مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دیں، جب بھی ان کے ہاتھ سے کوئی ہتھیار ٹوٹتا ہے تو وہ دوسرا نکال لیتے ہیں اور جب بھی کوئی اوزار کند ہوتا ہے تو وہ دوسرا تیز کر لیتے ہیں۔

وسطی ایشیا اور لوٹ کھسوٹ کی سیاست

تحریر: استاد احمد ہادی

(ترجمہ)

چین-کرغزستان-ازبکستان ریلوے منصوبہ وسطی ایشیا کے بڑے اسٹریٹجک منصوبوں میں سے ایک ہے، جس کا مقصد چین کے مغربی شہر کاشغر کو کرغزستان اور پھر ازبکستان کے شہر اندیجان سے جوڑنا ہے، تاکہ یہ چین، وسطی ایشیا اور یورپ کے درمیان تجارت اور نقل و حمل کے لیے ایک اہم بین الاقوامی راہداری بن سکے۔

اس ریلوے لائن کی کل لمبائی تقریباً 523 کلومیٹر ہے، جس میں سے تقریباً 213 کلومیٹر چین کے اندر، 304 کلومیٹر کرغزستان کے اندر اور ایک مختصر حصہ ازبکستان کے اندر موجودہ ریلوے نیٹ ورک سے جوڑنے کے لیے ہے۔ منصوبے کی مجموعی لاگت کا تخمینہ تقریباً 4.7 بلین امریکی ڈالر ہے، جس کی مالی اعانت اس طرح کی جارہی ہے: تقریباً 2.3 بلین ڈالر چینی بینکوں، بالخصوص 'چائنا ڈویلپمنٹ بینک' اور 'چائنا ایکسپورٹ امپورٹ بینک' سے طویل مدتی قرضوں کی صورت میں فراہم کیے جائیں گے، جبکہ بقیہ 2.3 بلین ڈالر منصوبے کی مشترکہ کمپنی کے سرمائے سے پورے کیے جائیں گے۔ اس کمپنی میں حصص کی تقسیم کچھ یوں ہے: چین 51 فیصد، کرغزستان 24.5 فیصد اور ازبکستان 24.5 فیصد۔

اس منصوبے پر باضابطہ عمل درآمد کا آغاز 27 دسمبر 2024 کو ہوا اور اس کی تعمیر میں تقریباً 5 سال لگنے کا تخمینہ ہے، جبکہ اس کی مالی اعانت حالیہ دنوں میں مکمل کی گئی ہے۔ اس منصوبے میں 50 سے زائد پل اور تقریباً 29 سرنگیں شامل کی گئی ہیں۔

اس ریلوے لائن کا مقصد چین، وسطی ایشیا اور یورپ کے درمیان مال برداری کے وقت کو کم کرنا، روس کے روایتی راستوں پر انحصار گھٹانا، علاقائی ٹرانزٹ مراکز کے طور پر کرغزستان اور ازبکستان کے کردار کو مضبوط بنانا اور چین کے 'بیلٹ اینڈ روڈ' (One Belt One Road) اقدام کو تقویت دینا ہے۔

یہ منصوبہ محض ایک ریلوے لائن نہیں بلکہ ایک اہم معاشی اور جغرافیائی و سیاسی (جیو پولیٹیکل) راہداری ہے، جس کی زیادہ تر مالی اعانت چین قرضوں اور سرمائے کی شکل میں کر رہا ہے، جبکہ کرغزستان اور ازبکستان کم حصص کے ساتھ اس میں شریک ہیں اور طویل مدت میں کچھ مالی بوجھ بھی برداشت کر رہے ہیں۔

چین بتدریج وسطی ایشیا کی کانوں، بالخصوص نایاب معدنیات اور دیگر معدنی ذخائر پر قبضے کے لیے کوشاں ہے اور ان وسائل کو خطے سے باہر منتقل کرنے کے لیے انتہائی تیز رفتاری سے ریلوے لائنیں تعمیر کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے چین نے ان منصوبوں کی تکمیل کی خاطر اپنے ملک سے دسیوں ہزار مزدور یہاں لائے ہیں۔

وسطی ایشیا کی دولت چار بڑی طاقتوں یعنی روس، چین، امریکہ اور یورپی یونین کے درمیان لوٹ مار اور بندر بانٹ کا شکار ہے، جہاں یہ معدنیات نکالی جا رہی ہیں اور خطے کے ممالک کے لیے کسی حقیقی معاشی فائدے (ویلیو ایڈیشن) کے بغیر خام مال کی صورت میں برآمد کر دی جاتی ہیں۔

وسطی ایشیا کے ممالک کے پاس بے پناہ دولت ہونے کے باوجود، ان کے ایک کروڑ سے زائد کام کرنے کے اہل نوجوان پچھلے پینتیس سالوں سے بیرون ملک مہاجر مزدوروں کے طور پر زندگی گزار رہے ہیں، جہاں وہ ذلت اور استحصال کا شکار ہیں جیسے کہ وہ غلام ہوں۔

کیا اب وہ وقت نہیں آگیا کہ ایک ایسا حکمران مقرر کیا جائے جو اپنی رعایا کو کافر ممالک کے ہاتھوں غلامی کے لیے نہ چھوڑے، اپنی امت کی عزت و وقار کی حفاظت کرے، اور ملک کی دولت کو خام مال کی صورت میں برآمد کر کے اسے لٹنے نہ دے؟ بلکہ وہ کارخانے اور فیکٹریاں لگائے اور زمین کی نعمتوں کا بہترین استعمال کرے، تاکہ وہ اپنی امت کو اس کی اپنی ہی دولت کے ذریعے خوشحالی اور عزت و رفاہ سے ہمکنار کر سکے۔

خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد: دنیا اور آخرت کی عزت

افسوس کہ ہم نے جیتے جی اپنے جسموں کی چیر پھاڑ کا مشاہدہ کیا ہے، کیونکہ اہل فلسطین آج جو کچھ سہہ رہے ہیں وہ اس سب سے الگ نہیں ہے جو استعمار کی وجہ سے تمام مسلمانوں نے اب تک برداشت کیا ہے، اور ہماری امت کے رستے ہوا زخموں کی فہرست بہت طویل ہے جو کشمیر سے چیچنیا تک اور مشرقی ترکستان سے مشرقی تیمور اور میانمار وغیرہ تک پھیلی ہوئی ہے۔

اے مسلمانوں! تم لوگوں سے الگ ایک واحد امت ہو، تمہاری وحدت اور تمہاری خلافت ہی تمہاری طاقت، تمہاری بیداری اور تمہارے رب کی تم سے خوشنودی کا سبب تھی، اسی لیے کافر استعمار گر مغرب نے اسے ڈھانے کی کوشش کی۔ تو کیا تم اپنی ہمت کی آستینیں نہیں چڑھاؤ گے تاکہ تم دوبارہ پہلے کی طرح ایک ریاست اور ایک پرچم تلے ایک واحد امت بن جاؤ اور اپنے دشمنوں کو غصہ دلاؤ؟ کیا تمہارے دل اپنی عزت اور وقار کی واپسی کے لیے نہیں تڑپتے تاکہ تم اپنے اقصیٰ اور کعبہ کو پاک کرو اور ہر جگہ اپنے کمزور بھائیوں کی مدد کرو؟

خلافت کی بحالی کے لیے کام کرنا دنیا اور آخرت کی عزت ہے، کیونکہ اسی کے ذریعے تم اپنی قیادت دوبارہ حاصل کر سکتے ہو اور اپنی حفاظت کر سکتے ہو، بلکہ پوری دنیا کو اس ظلم، ناانصافی اور پستی سے بچا سکتے ہو جس تک وہ پہنچ چکی ہے، ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللهِ﴾. "اور اس دن مومن اللہ کی نصرت پر خوش ہوں گے" (سورۃ الروم: آیت 4، 5)۔

تعلیم کے بارے میں اسلام کی اپنی منفرد پالیسی ہے جو ایک مثالی تعلیمی نظام کی بنیاد رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے

خلافت کا نظام جو تعلیم کے بارے میں اسلام کے منفرد نقطہ نظر کو اپناتا ہے، آج ایک مثالی اور بہترین تعلیمی نظام قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو حصولِ علم کو ریاست اور امت کے اہم ترین مسائل اور مفادات کی تکمیل کے ساتھ جوڑتا ہے، اور ساتھ ہی امت کی تمام ضروریات میں خود کفالت کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ اس دوری کو ختم کر دے گا جو ہمارے ملکوں میں رائج تعلیمی نظام اور ہماری صنعتی، زرعی اور تکنیکی معاشروں کی ضروریات کے درمیان پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ہم دوسرے ممالک پر منحصر ہو گئے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ، صنعتی شعبے میں ریاستِ خلافت کی وسیع سرمایہ کاری، تاکہ معاشرے کی ضروریات کو آزادانہ طور پر پورا کیا جا سکے، اسے ایک عظیم عالمی طاقت بنا دے گی۔ یہ ریاست کو اس قابل بنائے گی کہ وہ امت کے بیٹوں کی بہترین مہارتوں اور ذہانت سے فائدہ اٹھا کر انہیں ترقی دے، تاکہ ان کی قیمتی توانائیاں ضائع نہ ہوں اور نہ ہی غیر ملکی ریاستیں انہیں چوری کر سکیں۔

اے مسلمانو! اس شاندار نمونے کو عملی جامہ پہنانے اور نافذ کرنے کے لیے جلدی کریں اور فوری طور پر اس کام میں جڑ جائیں جسے اللہ نے آپ پر فرض کیا ہے، یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافتِ راشدہ کا قیام، کیونکہ یہی آپ کے تمام مسائل کا واحد شرعی حل ہے۔

اسلام انسان کو ایک ایسے انسان کی حیثیت سے دیکھتا ہے جسے اللہ نے معزز بنایا ہے

اسلام انسان کو ایسی مشین نہیں سمجھتا جس سے منافع نچوڑا جائے اور پھر اسے ملبہ بنا کر چھوڑ دیا جائے، یا وہ ایسا بوڑھا بن جائے جس کے جسم کا علاج تو بہترین ہسپتالوں میں ہو رہا ہو لیکن اس کی روح خاموشی سے تڑپ رہی ہو اور وہ تنہا اور شکستہ حال مرنے سے ڈرتا ہو، جس کا پڑوسیوں کو شاید اتفاقاً ہی پتہ چلے۔ اسلام اس بوڑھی ماں کے ماڈل کو بھی قبول نہیں کرتا جو اپنا سارا دن تنہا فون کو دیکھتے ہوئے گزار دیتی ہے اور اپنے پیاروں کی کال کا انتظار کرتی ہے جنہیں زندگی نے اتنا مصروف کر دیا ہے کہ وہ اس کا حال تک نہیں پوچھ سکتے۔ اسلام انفرادیت پسندی کے تصور کو معاشرے کے لیے ایک تباہ کن خیال سمجھتا ہے، جس کا مقابلہ کرنا اور اس کے عیوب کو بے نقاب کرنا ضروری ہے، ہمیں اس کے فساد اور ان فکری بنیادوں کے جھوٹ کو ظاہر کرنا ہے جہاں سے یہ نکلا ہے۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جو انسانی فطرت اور انسانوں کے درمیان پیدا ہونے والے تعلقات کی نوعیت سے متصادم ہے اور بدبختی و ناخوشی کا باعث بنتا ہے۔

اللہ عزوجل نے خاندان کو ایک ایسا مضبوط اور محفوظ قلعہ بنایا ہے جو عورت اور مرد دونوں کو سکون اور گرمجوشی فراہم کرتا ہے، اور یہ خاندان ایک ایسے دفاعی نظام (امیون سسٹم) کی طرح ہے جو فرد کو اس دور کی بیماریوں سے بچاتا ہے اور بچوں کے لیے امن و امان کا ذریعہ ہے۔ انسان خاندان کا متبادل کیسے تلاش کر سکتا ہے یا کسی بھی معاشرے میں اس کے مرکزی کردار کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے بغیر اس کے کہ وہ معاشرہ سب کے سامنے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائے؟

خلافت اپنے شہریوں کے مفادات کی سچائی کے ساتھ نگہبانی کرتی ہے

خلافت اپنے شہریوں کے مفادات کی خلوصِ دل سے دیکھ بھال کرتی ہے اور ان کے حقوق اور ضروریات کی نگران ہوتی ہے۔ اسی لیے ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "شریعت کی بنیاد اور اساس دنیا اور آخرت میں بندوں کے مصالح اور حکمتوں پر ہے، یہ سراسر عدل ہے، سراسر رحمت ہے، سراسر مصلحت ہے، اور سراسر حکمت ہے۔ پس ہر وہ مسئلہ جو عدل سے نکل کر ظلم کی طرف، رحمت سے نکل کر اس کی ضد کی طرف، مصلحت سے نکل کر فساد کی طرف اور حکمت سے نکل کر عبث (بے مقصدیت) کی طرف چلا جائے، وہ شریعت کا حصہ نہیں ہے۔ شریعت بندوں کے درمیان اللہ کا عدل، اس کی مخلوق میں اس کی رحمت اور اس کی زمین پر اس کا سایہ ہے"۔

یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ تمام مسلمان جب تک اسلام کے طریقے کو ریاست اور افراد کی سطح پر اپنائے رہے، وہ تہذیب، ترقی اور علم میں دنیا کے امام تھے، انہوں نے خوشحال زندگی گزاری اور پوری دنیا کے لیے روشنی اور انصاف کا مینار بنے۔ لہٰذا، اسلامی ممالک کے حالات آج بھی صرف اسی چیز سے درست ہوں گے جس سے پہلے درست ہوئے تھے، اور وہاں کی المناک صورتحال اس وقت تک نہیں بدلے گی جب تک اللہ کی شریعت قائم نہ ہو جائے جو ظلم کو روکے، مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلائے، ان لوگوں سے حقوق وصول کرے جو دینے سے انکاری ہیں اور حقداروں کو ان کا حق پہنچائے۔